Title - INTIKHAB-E-SAUDA.

Creator - Mirza Mohd. Rafi Sauda ; Murattiba Saqib Kanpuri .

Publisher - Academy Sindh (Karachi) .

Date - 1956

Pages - 168 .

Subjects - Urdu Shayari - Intikhab Kalaam - Sauda, Mirza Mohd. Rafi ; Sauda ; Mirza Mohd. Rafi - Sawaneh - O - Tanqeed .

انتخابِ سودا

از

ثاقب کانپوری

مکتبہ جامعہ

بار دوم ۱۰۰۰ دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ - بمبئی قیمت ۱۰ر

سنہ ۱۹۴۱ء
مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

عرض ناشر

مکتبہ جامعہ نے اپنے قیام کے ابتدائی زمانے میں اردو
نظم و… منتخب کتابوں کے سستے ایڈیشن شائع کرنے کا
…ا۔ چنانچہ دو ایک کتابیں شائع بھی ہوئیں اور ختم ہو گئیں
دو…ے کاموں کے پیش نظر ان کے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہ آئی
نہ اس سلسلے میں کوئی اور نئی کتاب پیش کی گئی۔ اب کاغذ کی گرانی
اور دوسرے عام حالات کے باعث یہ خیال کچھ عرصے کے لئے
ملتوی کرنا ہی مناسب ہے۔ البتہ جو کتابیں اس سے قبل شائع
کی جا چکی ہیں ان ہی کو دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے
کہ ارباب ذوق پسند فرمائیں گے۔

ناشر

مقدمہ

تو نے سودا وہ زبان ریختہ ایجاد کی
پڑھ کے اک عالم اٹھاتا ہے ترے اشعار فیض

سودا کی مختصر سوانح عمری | (ماخوذ از آب حیات) سودا تخلص۔ میرزا محمد رفیع نام، شہر دلی کو ان کے کمال سے فخر ہے۔ باپ میرزا محمد شفیع مرزایان کابل سے تھے بزرگوں کا پیشہ سپہ گری تھا۔ مرزا محمد شفیع بطریق تجارت وارد ہندوستان ہوئے ہند کی خاک دامنگیر نے ایسے قدم پکڑے کہ یہیں رہے۔

سودا ۱۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ دلی میں پرورش اور تربیت پائی۔ کابلی دروازہ کے علاقہ میں ان کا گھر تھا۔ ایک بڑے پھاٹک میں نشست رہا کرتی تھی۔ دروازہ تباہی دلی میں تباہ ہوا۔ شیخ ابراہیم ذوق علیہ الرحمہ اکثر ادھر ٹہلنے

جا نکلتے تھے، آزاد ہمرکاب ہوتے تھے مرزا کے وقت کے حالات اور مقامات کا ذکر کرکے قدرت خدا کو یاد کرتے تھے۔

سودا بموجب رسم زمانہ اوّل سلیمان قلی خاں وداد اور پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے شاہ موصوف نے بھی اپنے دیوان کے دیباچہ میں جو شاگردوں کی فہرست لکھی ہے اس میں مرزا کا نام اس طرح لکھا ہے جس سے فخر کی خوشبو آتی ہے خوشا نصیب اس استاد کے جس کی گود میں ایسا شاگرد پل کر بڑا ہوا، خان آرزو کے شاگرد نہ تھے مگر ان کی صحبت سے فائدے بہت حاصل کیے۔ چنانچہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے خانِ آرزو نے کہا کہ مرزا فارسی اب تمہاری زبان نہیں اس میں ایسے نہیں ہو سکتے کہ تمہارا کلام اہل زبان کے مقابل میں قابل تعریف ہو۔ طبع موزوں ہے، شعر سے نہایت مناسبت رکھتی ہے تم اردو کہا کرو تو یکتائے زمانہ ہو گے مرزا بھی سمجھ گئے اور دیرینہ سال استاد کی نصیحت پر عمل کیا غرض طبیعت کی مناسبت اور مشق کی کثرت سے دلی جیسے شہر میں ان کی استادی نے خاص و عام سے اقرار لیا۔ ان کے سامنے ہی ان کی غزلیں گھر گھر اور کوچہ و بازار میں خاص و عام کی زبانوں پر جاری تھیں۔ جب کلام کا شہرہ عالمگیر ہوا تو شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لئے دینے لگے اور فرمائشیں کرنے لگے۔ ایک دن کسی غزل

کے لئے تقاضا کیا، انھوں نے عذر بیان کیا۔ حضور نے فرمایا بھئی مرزا کے غزلیں روز کہہ لیتے ہو؟ مرزا نے کہا پیر و مرشد جب طبیعت لگ جاتی ہے۔ دو چار شعر کہہ لیتا ہوں۔ حضور نے فرمایا بھئی ہم تو پاخانہ میں بیٹھے بیٹھے تین چار غزلیں کہہ لیتے ہیں، ہاتھ باندھ کر عرض کی حضور ویسی بو بھی آتی ہے، یہ کہہ کر چلے آئے۔ بادشاہ نے پھر کبھی دفعہ بلا بھیجا اور کہا کہ ہماری غزلیں بناؤ ہم تمھیں ملک الشعرا کر دیں گے، یہ نہ گئے اور کہا کہ حضور کی ملک الشعرائی سے کیا ہوتا ہے کرے گا تو میرا کلام ملک الشعرا کرے گا، پھر ایک بڑا مخمس شہر آشوب لکھا۔ ع (کہا جوئیں نے یہ سودا سے کیوں ہے ڈانواں ڈول) بے درد ظالم ہیں کہتے ہیں کہ بادشاہ اور دربار بادشاہی کی ہجو کی ہے غور سے دیکھو تو ملک کی دلسوزی سے اپنے وطن کا مرثیہ کہا ہے۔ مرزا دل شکستہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ قدر دان موجود تھے کچھ پروا نہ ہوئی۔ ان لوگوں کی بدولت ایسی فارغ البالی سے گذرتی تھی کہ ان کے کلام کا شہرہ جب نواب شجاع الدولہ نے لکھنؤ میں سنا تو کمال اشتیاق سے برادر مشفق مہرباں میں لکھ کر خط مع خرچ صفر بھیجا اور طلب کیا۔ انھیں دلّی چھوڑ نا گوارا نہ ہوا جواب میں فقط اس رباعی پر حسن معذرت کو ختم کیا۔

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک   آوارہ ازیں کوچہ باں کو کب تک

حاصل بھی اس سے نہ؟ کہ دنیا چھٹے   بالفرض ہوا یوں کبھی تو پھر تو کب تک

کئی برس کے بعد قدرداں مر گئے زمانے بدل گئے سودا بہت گھبرائے،
اس عہد میں ایسے تباہی زدوں کے لیے دو ٹھکانے تھے، لکھنؤ یا حیدرآباد۔ لکھنؤ قریب
تھا اور فیض سخاوت کی گنگا بہہ رہی تھی اس لیے جو دلی سے نکلتا تھا ادھر رخ
کرتا تھا اور اتنا کچھ پاتا تھا کہ پھر دوسری طرف خیال نہ کرتا تھا، اس وقت حاکم
بلکہ وہاں کے محکوم بھی جو پائے کمال تھے نقطے کو کتاب کے مولوں خریدتے تھے
غرض ساٹھ یا چھیاسٹھ برس کی عمر میں نکل کر چند روز فرخ آباد میں نواب بنگش کے
ہاں رہے وہاں سے ۱۱۸۵ھ میں لکھنؤ پہنچے۔ نواب شجاع الدولہ کی ملازمت
حاصل کی وہ بہت اعزاز سے ملے اور ان کے آنے پر کمال خورسندی ظاہر کی،
لیکن یا تو بے تکلفی سے یا طنز سے اتنا کہا کہ مرزا وہ رباعی تمھاری اب تک میرے
دل پر نقش ہے اور اسی کو مکرر پڑھا، انھیں اپنے حال پر بڑا رنج ہوا اور بپاس
وضع داری پھر دربار نہ گئے، یہاں تک کہ شجاع الدولہ مر گئے اور آصف الدولہ
مسند نشین ہوئے۔ لکھنؤ میں میرزا فاخر مکین زبان فارسی کے مشہور شاعر تھے ان
سے اور مرزا رفیع سے بگڑ گئی اور جھگڑے نے ایسا طول کھینچا کہ نواب آصف الدولہ
کے دربار تک نوبت پہنچی انجام یہ ہوا کہ علاوہ انعام و اکرام کے چھ ہزار روپیہ

سالانہ وظیفہ ہو گیا اور نواب نہایت شفقت کی نظر فرمانے لگے اکثر حرم سرا میں خاصے پر بیٹھے ہوتے اور مرزا کی اطلاع ہوتی فوراً باہر نکل آتے تھے، شعر سُن کر خوش ہوتے اور انھیں انعام سے خوش کرتے تھے۔ جب تک مرزا زندہ رہے نواب مغفرت مآب، وا ہل لکھنؤ کی قدر دانی سے ہر طرح فارغ البال رہے ستر برس کی عمر میں ۱۱۹۵ھ میں وہیں انتقال کیا اور میر باقر کے امام باڑے میں دفن ہوئے شاہ عالم زندہ تھے سن کر بہت روئے اور کہا کہ افسوس ہمارا پہلوان سخن مر گیا۔

شاہ عالم بادشاہ اور نواب شجاع الدولہ کے واقعات سے ظاہر ہے کہ سودا صدر درجہ غیور اور وضع کے پابند تھے۔ عزت کو دولت پر ترجیح دیتے تھے۔ آصف الدولہ کے دربار میں بھی اپنی خوشی یا خواہش سے نہیں گئے مرزا فاخر مکین کے شاگردوں نے انھیں سر بازار ذلیل کرنا چاہا تھا اتفاقاً اُسی وقت نواب سعادت علی خاں کی سواری گذری انھوں نے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ حالات دریافت ہونے پر سودا کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا کر نواب آصف الدولہ بہادر کی خدمت میں لے گئے۔ اس طرح دربار میں آمد و رفت شروع ہوئی۔

سودا کے مزاج میں شوخی اور ظرافت بہت تھی ہجو کے شوق کو اسی کا نتیجہ کہنا چاہیئے۔ زود رنج بھی تھے ذرا سی ناراضی میں بے اختیار ہو جاتے تھے اور

ہجو کا طومار تیار کر دیتے تھے، یہ بھی سنا گیا ہے کہ ابتدا ان کی طرف سے بہت کم ہوتی تھی۔ اور ہجو کے بعد دل میں کدورت نہیں رہتی تھی تاہم وہ ہجوگوئی کے سبب سے بہت بدنام ہیں اور یہ ان کی شاعری پر ایک بدنما دھبہ ہے بہتر یہی ہوتا کہ اپنے اس شعر پر عمل کرتے ؎

برنگ کوہ رہ خاموش حرف ناسزا سنکر ۔ کہ تا بدگو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

زبان اُردو کی مختصر تاریخ | زبان مثل دیگر موجودات عالم کے اصول ارتقا کی تابع ہے جس طرح اجرام فلکی کے ٹکرانے سے کچھ اجزا علیحدہ ہوکر ایک نیا مرکز قائم ہو جاتا ہے اور ارتقا کے مدارج طے کرتا ہے، اسی طرح دو زبانوں کے اتصال سے اکثر ایک تیسری زبان پیدا ہو جاتی ہے، بشرطیکہ ان زبانوں میں مماثلت ہو اور قوت جاذبہ زائل نہ ہو چکی ہو، ہندوستان پر اسلامی حملوں کے ساتھ ساتھ زبان فارسی اور بھاشا میں بھی تصادم ہوا، اسلامی حکومت قائم ہونے پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھی میل جول شروع ہوا لین دین اور تبادلہ خیالات کے واسطے ایک دوسری زبان کے الفاظ بولے بغیر گزارہ نہ ہو سکا دونوں زبانوں میں موانست پیدا ہوئی یہ اختلاط روز بروز ترقی کرتا رہا حتیٰ کہ ایک نئی زبان پیدا ہو گئی جس کا نام اُردو ہوا۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُردو لشکری زبان ہے جو عہد شاہجہاں
میں ایجاد ہوئی جدید تحقیق سے اس کی تردید ہوتی ہے، صدیوں پیشتر سے یہ زبان
گنگا اور جمنا کے دوآبے میں رائج تھی اور برج بھاشا کے نام سے مشہور تھی۔ دہلی
کے گرد و نواح کے باشندوں کی یہی زبان تھی۔ جب دہلی دارالسلطنت ہوا
اور بازار لشکر قائم ہوا وہاں بیشتر انھیں لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی، لہذا
ان کی زبان لشکری زبان ہوگئی یہ کہنا واقعات کو برعکس بیان کرنا ہے کہ
بازار لشکر میں یہ زبان پیدا ہوئی، البتہ فتوحات کے سلسلے میں جس حصۂ ہندوستان
میں یہ لشکر پہنچا یہ زبان بھی پہنچی اور رواج بھی پایا شاہجہاں سے بہت پہلے
بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کا قدم آتے ہی عربی اور فارسی الفاظ
بھاشا میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے جیسا کہ چند کوی کی راج راسا تلسی داس
کی رامائن اور دیگر تصانیف سے ثابت ہوتا ہے، جن میں بکثرت عربی اور فارسی
الفاظ موجود ہیں مگر زبان دراصل بھاشا تھی جس نے ان الفاظ کو بھی قبول کر لیا تھا
دونوں زبانیں ایسی شیر و شکر نہیں ہوئی تھیں کہ جسے ایک تیسری زبان کہا جائے
جو دونوں کے مشابہ بھی اور مختلف بھی اس زبان کی بنار جسے اول، اول ریختہ کہتے
تھے اور اب اُردو کہتے ہیں ولی دکنی نے ڈالی، اس کی ابتدا نظم سے ہوئی اور

فارسی کی بحریں، تشبیہیں، استعارے حتیٰ کہ چند مستثنیات کے علاوہ فارسی کی صرف و نحو کی ترکیبیں اختیار کی گئیں مگر بھاشا کا رنگ اب بھی غالب تھا اور شعر کی بنیاد زیادہ تر ذو معنی الفاظ اور ایہام پر ہوتی تھی جو بھاشا کے دوہوں کی شان ہے بعد کے شاعروں نے ان رنگ آمیزیوں سے اردو کو پاک کرنے کی بڑی کوشش کی۔

سودا کی تاریخی اہمیت | سب سے ممتاز حصہ اس زبان کی صفائی میں مرزا رفیع سودا نے لیا۔ مولانا آزاد تذکرہ آب حیات میں فرماتے ہیں" زیادہ تر سودا نے اور کچھ میر نے اس طریقہ کو بدلا کہ استعاروں کو ہندی محاوروں کے ساتھ ملا کر ریختہ نمکین بنایا (۱۹۷) ایک اور جگہ کہتے ہیں" دلی میں اول مرزا رفیع سودا پھر شیخ ابراہیم ذوق نے زبان کی پاکیزگی۔ الفاظ کی شستگی اور ترکیب کی چستی سے کلام میں خوب زور پیدا کیا، میر تقی میر اور خواجہ میر درد نے زمانہ کی افسردہ دلی دنیا سے بیزاری کے مضامین کو خوب ادا کیا" (صفحہ ۲ ۸) سودا نے کثرت سے فارسی تشبیہیں استعارے محاورے اور بندشیں اردو میں داخل کیں اور انھیں اس طرح گھلایا، ملایا کہ زبان چٹخارے لیتی ہے۔ لہٰذا جو اہمیت تاریخی نظر سے سودا کو حاصل ہے محتاج بیان نہیں، جب تک زبان اردو قائم ہے اس کا نام

صفحۂ ہستی سے مٹ نہیں سکتا ایسے شخص کا کلام ضرور اس قابل ہے کہ بغور دیکھا جائے۔

اُردو شاعری کی ابتدا تھی، ولی جو راستہ بنا گئے تھے اس میں سینکڑوں جھاڑ جھنکاڑ تھے ان کی صفائی کا بیڑا ان کے بعد کے شاعروں نے اٹھایا، جن میں شاہ حاتم سودا کے اُستاد بھی تھے۔ سودا کی ہونہاری کا یہ حال تھا کہ شاہ حاتم جب اُس کی غزل کو اصلاح دیتے تھے تو اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ازادبِ صائب خموشم ورنہ در ہر دادے
رتبۂ شاگردیٔ من نیست اُستاد مرا

اور احباب سے کہتے تھے کہ یہ شعر صائب نے میری اُستادی اور مرزا رفیع کی شاگردی کے حق میں کہا ہے۔

جس شاعری کی بنیاد ولی دکنی نے ڈالی تھی اس پر سودا نے ایک عالیشان عمارت کھڑی کر دی اور اُسے طرح طرح کے نقش ونگار سے زینت دی، قصیدہ اور ہجو کا اضافہ کیا، موجودہ نقطۂ خیال سے ہجو کے متعلق جو کچھ کہا جائے مگر سودا کے زمانہ میں اس کی وبا عام تھی۔ بات اتنی ہے کہ اور لوگ چند اشعار میں اپنے دل کا بخار نکال لیتے تھے، اس زور شور سے ہجو کہنا کہ بقول آزاد ہجو شاعری کے

درخت کا ایک موٹا ٹہنا بن گئی، سودا کا حصہ ہے اس اعتبار سے سودا کو نہ صرف قصیدہ بلکہ ہجو کا موجد کہنا چاہئے۔ ہجوؤں سے سودا کی قوت بیان زبان وسعت معلومات کا بھی اندازہ ہوتا ہے ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہر علم اور ہر فن میں دستگاہ تھی، جس علم یا فن کا بیان کیا اسی کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں، جہاں کسی پیشہ ور کا ذکر ہے وہاں اسی کی زبان کو نظم کیا ہے۔ اس لحاظ سے ہجوئیں بھی قابل قدر ہیں۔ ان کے قصائد کے متعلق مولانا آزاد لکھتے ہیں:۔

اول قصائد کا کہنا اور پھر اس دھوم دھام سے اعلیٰ درجہ فصاحت و بلاغت پر پہونچانا ان کا پہلا فخر ہے، وہ اس میدان میں فارسی کے شہسواروں کے ساتھ عنان در عنان ہی نہیں گئے بلکہ اکثر میدانوں میں آگے نکل گئے ہیں ان کے کلام کا زور شور انوری اور خاقانی کو دباتا ہے اور نزاکت مضمون میں عرفی ظہوری کو شرماتا ہے"

آب حیات صفحہ ۱۵۲

دیوان ریختہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

(وقت کی زبان سے قطع نظر کرکے) باعتبار جوہر کلام سرتاپا مرصع ہے بہت سی غزلیں دلچسپ اور دل پسند بحروں میں ہیں کہ اس وقت

تک اُردو میں نہیں آئی تھیں۔ زمینیں سنگلاخ ہیں اور ردیف قافیے
بہت مشکل مگر جس پہلو سے انھیں جما دیا ہے ایسے جمے ہیں کہ دوسرے
پہلو سے کوئی بٹھائے تو معلوم ہو۔"

سودا کے متعلق اہل سخن کی رائے

مصنف آب حیات:۔

کل اہل سخن کا اتفاق ہے کہ مرزا اس فن میں استاد مسلم الثبوت تھے وہ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو شعر اور فن انشا ہی کے لئے پیدا ہوئی تھی میر صاحب نے بھی انھیں پورا شاعر مانا ہے۔ ان کا کلام کہتا ہے کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا اس پر سب رنگوں میں ہم رنگ اور ہر رنگ میں اپنی ترنگ جب دیکھو طبیعت شورش سے بھری اور جوش و خروش سے لبریز۔ نظم کی ہر فرع میں طبع آزمائی کی ہے اور کہیں رُکے نہیں چند صفتیں خاص ہیں جن سے کلام ان کا جملہ شعرا سے ممتاز معلوم ہوتا ہے، اول یہ کہ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و گریباں جیسے آگ کے شعلے میں گرمی اور روشنی بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظوں کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہیں گویا ولایتی طپنچہ کی چابیں چڑھی ہوئی ہیں اور یہ خاص ان کا

حصہ ہے، چنانچہ جب ان کے شعر میں سے کچھ بھول جائیں تو جب تک وہی لفظ وہاں نہ رکھے جائیں شعر مزہ ہی نہیں دیتا، خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہیں، مگر اس باریک نقاشی پر ان کی فصاحت آئینہ کا کام دیتی ہے، تشبیہ اور استعارے ان کے یہاں ہیں مگر اسی قدر جتنا کھانے میں نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ، رنگینی کے پردے میں مطلب اصلی کو گم نہیں ہونے دیتے، ان کی طبیعت ایک ڈھنگ کی پابند نہ تھی، نئے نئے خیال اور چٹختے قافیے جس پہلو سے جمتے دیکھتے جما دیتے تھے اور وہی ان کا پہلو ہوتا تھا، ان کے ہمعصر استاد خود اقرار کرتے تھے کہ جو باتیں ہم کاوش سے پیدا کرتے ہیں وہ اس شخص کو پیش پا افتادہ ہیں۔

جن اشخاص نے زبان اردو کو پاک صاف کیا ہے۔ مرزا کا ان میں پہلا نمبر ہے انھوں نے فارسی محاوروں کو بھاشا میں کھپا کر ایسا ایک کیا ہے جیسے علم کیمیا کا ماہر ایک مادہ کو دوسرے مادہ میں جذب کر دیتا ہے کہ کسی تیزاب سے اس کا جوڑ کھل نہیں سکتا، انھیں کا زور طبع تھا جس کی نزاکت سے دو زبانیں ترکیب پاکر تیسری زبان پیدا ہوگئی اور اسے ایسی قبولیت عام حاصل ہوئی کہ آئندہ کے لئے وہی ہندوستان کی زبان ٹھہری، جس نے حکام کے درباروں اور علوم کے خزانوں پر قبضہ کیا، اسی کی بدولت ہماری زبان فصاحت اور انشا پردازی کا

تمغہ ہے کہ شائستہ زبانوں کے دربار میں عزت کی کرسی پا گئی، اہل ہند کو ہمیشہ ان کی عظمت کے سامنے ادب اور مثنوی کا سر جھکانا چاہیئے۔" مرزا محمد قتیل چار شربت میں فرماتے ہیں:- "مرزا محمد رفیع سودا در ریختہ پایۂ ملا ظہوری دارد" مگر مولانا آزاد کہتے ہیں کہ سودا کی مشابہت ہے تو انوری سے ہے کہ محاورہ کا حاکم اور قصیدہ و [illegible] کا بادشاہ ہے۔" مولوی عبدالغفور صاحب شہباز مؤلف زندگانی بے نظیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس العلما مولوی امداد امام صاحب نے سودا کو اردو کا شکسپیر مانا ہے۔ مولوی صاحب سے ایک انگریز نے جسے اردو دانی کا شوق تھا، دریافت کیا کہ "اردو میں کوئی شاعر شکسپیر کا ہم پلہ ہے" مولوی صاحب نے تھوڑے غور کے بعد جواب دیا کہ اردو میں ڈرامے کا رواج نہیں تھا اس سبب سے واقع میں تو کوئی بھی شکسپیر کا مقابل نہیں کہا جا سکتا لیکن باعتبار قوت ہم سودا میں شکسپیر کا سا مادہ پاتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض نظموں میں اس کی اعلیٰ درجہ کی زباندانی کی مثالیں موجود ہیں چنانچہ [illegible] کی ہجو میں میر شکاروں کی اصطلاحیں اور قوش خانے کی تفصیلات اس کثرت سے ہیں کہ اس کی دقت نظری اور کامل معلومات کی یہ دلیل کافی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح [illegible] جہاں علم و فن کا ذکر کیا ہے [illegible] ہوتا ہے کہ [illegible]

سب یہاں سے راست ہے یہی کمال سودا کو مثل شکسپیر کے دوسرے شاعروں سے ممتاز بناتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون ہندوستانی لٹریچر پر ہے اس میں خان آرزو کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ میر تقی میر کے استاد تھے جو (یعنی میر تقی) بعد سودا کے بہترین شاعر شمالی ہندوستان کے مانے جاتے ہیں۔ شاہ حاتم کے ضمن میں تحریر ہے کہ ان کا ایک شاگرد سودا تھا جو بہترین شاعر شمالی ہندوستان کا ہوا، اسی سلسلے میں لکھا ہے کہ اس میں عجب نے سخن نہیں کہ سودا اور میر اردو کے بہترین شاعر تھے۔ میر کو غزل اور مثنوی میں سودا پر افضلیت ہے اور سودا کو قصائد و ہجو میں میر پر فوقیت۔ اس کے بعد سر سید مرحوم کی رائے کو نقل کیا ہے کہ میر کی زبان اتنی صاف اور جو الفاظ وہ استعمال کرتے ہیں اتنے مناسب اور برمحل ہوتے ہیں کہ اس وقت تک لوگ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اگرچہ سودا کی زبان بھی نہایت شستہ ہے اور تشبیہ و استعارے میں وہ میر سے سبقت لے گئے تاہم ان کا طرز ادا اتنا دلکش نہیں۔

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"بزعم بعضے آنکہ سرآمد شعرائے فصاحت مرزا محمد رفیع سودا در غزل گوئی برسے

(میرا ز سیدہ اتا حق آنست کہ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است میرزا در یا ملیت بیکراں و میر نہر سیت عظیم الشان و معلومات قواعد میرزا برتری است و در قوت شاعری مرزا ابر میر سروری "

خواجہ باسط نے ایک موقع پر کہا کہ میر کا کلام آہ ہے اور مرزا کا کلام واہ ہے۔ اور مثال میں یہ شعر میر کا پڑھا۔

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

پھر مرزا کا شعر پڑھا ؎

سودا کے جو بالیں پہ ہوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

سودا کے انتقال کے بعد مصحفی نے ایک قصیدہ ان کے قصیدہ پر کہا جس میں دراصل سودا کی مذمت کی ہے مگر ایک شعر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی سودا کی زباندانی کا لوہا مانے ہوئے تھا ؎

سچ پوچھو تو اردو میں فقط صاف زباں ہے
مضمون نہیں گر جا نثار نہار وہ تحریر

سید انشاء اللہ خاں انشا زبان اردو کے ماہر سمجھے جاتے ہیں وہ دریائے لطافت میں لکھتے ہیں "مرزا رفیع در سخن گفتن و حرف زدن، گو در شعر بضرورت وزن و قافیہ چند لفظ خارج از اردو و نیز آوردہ "

میر سودا کی غزل گوئی۔ میر کی شاعری اور شہرت کا مدار اُن کی غزلوں پر ہے سودا کی غزلیں اس پائے کی نہیں سمجھی جاتیں اگرچہ قصیدہ کا بادشاہ مانا جاتا ہے، اسکے متعلق رائے قائم کرنے کے پیشتر دونوں کی سیرت اور افتادِ طبیعت پر غور کرنیکی ضرورت ہے کیونکہ دونوں فطری شاعر تھے اور اپنے جذبات، احساسات و مشاہدات کو موزوں الفاظ میں ادا کر دیتے تھے، دونوں کی طبیعت جس طرح متاثر ہوئی اور جس طرف اُن کی شاعری کا رُخ پھرا وہی طرز انہوں نے اختیار کیا، میر کی طبیعت خلقی طور پر دردمند واقع ہوئی تھی، اسپر طرّہ یہ کہ تمام عمر مصیبت و فلاکت میں بسر ہوئی، مزاج میں غیرت خودداری اور پاسِ وضع بیحد تھا جس نے انہیں گوشہ نشین بنا دیا، لوگوں سے ملنا جُلنا، اپنا کلام سنانا، دوسروں کا سننا اور تعریف کرنا معیوب جانتے تھے غرضکہ زمانہ سے وہ نالاں تھے اور زمانہ اُن سے نالاں تھا، برخلاف اس کے سودا کی طبیعت میں شروع سے شوخی اور ظرافت کا مادّہ تھا جوش و خروش سے لبریز تھی اور شعرگوئی کا چسکا تھا، دونوں کی طبیعت اور طرزِ معاشرت کا اثر انکے کلام پر ہُوا۔ درد و غم کی زبان ہمیشہ سادہ، دھیمی، نرم اور رُکتی ہُوئی ہُوتی ہے اور یہی غزل کی زبان ہے جسکے واسطے بحریں بھی خاص خاص ہیں، جوش اور امنگ سے بھری طبیعت الفاظ بھی رنگین بلیغ اور پرشکوہ چاہتی ہے۔ اور یہی قصیدہ کی

زبان ہے۔ دونوں سچے شاعر تھے میر غزل میں اور سودا قصیدے میں کوس
لمن الملک بجا گئے اور درد بھرے دل سے قصیدہ کا نکلنا معلوم پرجوش طبیعت کہیں
نہیں رکتی سودا نے غزل بھی کہی اور خوب کہی، مگر میر سے قصیدہ نہ ہو سکا، یہ غلط ہے
کہ انہوں نے عمداً قصیدہ نہیں کہا اور بادشاہ و امراء کی مدح سرائی عیب سمجھتے
تھے، اُن کے کلیات میں قصائد آصف الدولہ اور دیگر اشخاص کے موجود ہیں، اسی
طرح ہجو کی بھی میر صاحب نے کوشش کی اُن کا اجگرنامہ اس کی مثال ہے
مگر دونوں صنفوں میں کامیاب نہیں ہوئے میر کے اشعار میں سادگی اور درد کوٹ
کوٹ کر بھرا ہے، اپنی بپتی خون بھرے اثر میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں اس طرح کہتے ہیں
کہ سننے والوں کے دل بے چین ہو جاتے ہیں۔ سودا نے اپنے زورِ طبیعت
سے پُر درد اشعار بھی کہے لیکن ان میں وہ اثر نہیں کیونکہ اصلیت نہیں
جو میر کے اشعار میں ہے، اسکی شوخ طبیعت، جو ہر رنگ میں ہم رنگ
اور ہر رنگ میں اپنی ترنگ دکھاتی تھی "درد و غم کے افسانوں تک
محدود نہ رہ سکی تھی اور نہ رہی، وہ کبھی زمین پر تھی تو کبھی آسمان پر
جدّتِ ذہنی سے ایک نئی دُنیا قائم کی اور اسے طرح طرح کے گل بوٹوں
اور نقش و نگار سے آراستہ کیا اور مختلف جذبات اور خیالات سے بسایا اس

دُنیا میں کہیں تو خوشی کی نوبت بج رہی ہے اور کہیں ماتم کی صف بچھی ہوئی ہے، مگر ماتم بھی ہے تو جوش و خروش کے ساتھ نہ کہ گھٹ گھٹ کر خونِ جگر پیا ہے بخلاف اس کے میر کی دُنیا ایک غم کدہ ہے جہاں سوائے اندوہ و الم کے عیش و راحت کو دخل نہیں ہر طرف مایوسی کی گھٹا چھائی ہوئی جہاں پھول بھی ہیں تو کمھلائے ہوئے، جہاں شادمانی کا نشاط بھی از دیادِ غم اور جراحتِ دل پر نمک پاشی ہے ان کے ماتم کدہ میں شامِ غم کے سوا صبحِ عید کی جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی بقول عرفی ؎

منم کہ یافتہ ام ذوقِ صحبتِ غم را　　　　بہ صبحِ عید دہم وعدہ شامِ ماتم را

غرض کہ میر اور سودا دونوں کا رنگ جدا جدا ہے اور دونوں اپنے اپنے رنگ کے بادشاہ ہیں، میر کا کلام اگر چوٹ کھائے دلوں پر تیرہ نشتر کا کام دیتا ہے، تو سودا اہلِ سماع و بصیرت کو وجد میں لاتا ہے اگر نوحۂ غم اور افسانۂ الم سننا ہو تو میر کا کلام دیکھئے، عالمِ خیال کی سیر مطلوب ہو یا نغمۂ طرب کا اشتیاق ہو تو سودا کی طرف توجہ کیجئے، زندگی کے دو پہلو ہیں خوشی اور غم امید اور یاس، سودا کی نظر ایک پہلو پر تھی اور میر کی دوسرے پر، ایک ہنستا ہنساتا تھا دوسرا روتا رُلاتا تھا ایک Optionist تھا جو ہمیشہ خوش

رہتا تھا۔ دوسرا (Pessimist) تھا جو ہمیشہ غمگین رہتا تھا، ایک صرف اپنی سرگزشت بیان کرتا تھا، دوسرا اپنے تجربات و مشاہدات معرض تحریر میں لاتا تھا۔

میں نے جو کچھ عرض کیا نسبتاً اور دونوں کے منتخب کلام کے متعلق، ورنہ ظاہر ہے میر صاحب کے کلام میں بھی کہیں کہیں خوشی کی جھلک آجاتی ہے۔ کم سے کم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن کا ہر شعر پر از سوز و گداز ہے، اسی طرح سودا کا ہر ایک شعر خوشی کا گیت نہیں ہے، دردانگیز (اشعار) بھی موجود ہیں اور خوب ہیں سنئے ؎

ایک شب آ کوئی واسوختہ رو یا اسیر — شمع تک گور پہ ماری ہے جلی دور سدا
یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو — نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا
غافل ہے اس حریف سے ظالم رہے جس کا پاس — آیا کوئی تو پوچھتا اتنا کہ اپنے گھر چلا
قاصد اشک آکے خبر کر گیا — قتل کوئی دل کا نگر کر گیا
دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہر ایک کا منہ — طالب رحم کی نظروں سے گنہگار کی طرح
آہ بیمار کا تیرے ہے ترقی پر ضعف — صبح تھا زرد منہ اس کا سو ہوا شام سفید
ضعف سے نالہ بھی اب دل سے نہیں آسکتا — درد آتا ہے بہت خون جگر سے باہر

یوں دیکھتا ہوں اس ستم ایجاد کی طرف — جوں صید وقت ذبح کے صیاد کی طرف
نتیجہ عشق میں یہ روز خوش نہ دیکھا — دکھ بھرتے ہی بھرتے مر گئے ہم
لخت جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں — یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں
یہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں — اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
رہا کرنا نہیں صیاد اب پامال کرتا ہے — پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو وہ پرواز کیا سمجھے
کیا نیاز عشق سے غافل ہے ناز جسن گاہ — شیریں کیا جانے کہ خون آلود جوئے شیر ہے

اب شاعری کے عام اصول پر بحث کرتے ہوئے میں سودا اور میر کی غزلوں کے محاسن و معائب دکھانے کی کوشش کروں گا۔ مقدمہ کے اس جزو کے واسطے میں نے مولوی شبلی مرحوم کی نادر تصنیف شعرالعجم سے مدد لی ہے، اور اکثر جگہ اسی کی عبارت لفظ بہ لفظ نقل کر دی ہے۔

" شاعری دراصل دو چیزوں کا نام ہے محاکات اور تخیل، محاکات کا اصلی کمال یہ ہے کہ اصل کے مطابق ہو" یعنی جس چیز (مادی یا غیر مادی مرئی یا غیر مرئی) کا بیان کیا جائے خود وہ شے مجسم ہو کر سامنے آجائے۔ محاکات کی دو قسمیں ہیں ایک تو محاکات جذبات و کیفیات دوسرے مناظر قدرت محاکات جذبات خصوصاً جذبات درد و غم اور یاس و حسرت میں میر کو ید طولیٰ

حاصل تھا، خوشی، امید وغیرہ کے جذبات ان کے دل ہی میں نہیں تھے نظم کیا کرتے (سودا کو ہر قسم کے جذبات وکیفیات کی صورت گری میں دستگاہ کامل تھی۔ محاکات کے لئے ہر قسم کی معلومات اور تجربہ کی ضرورت ہے، میر صاحب کی افسردہ دلی عزلت نشینی اور بددماغی نے انھیں اپنے خاص جذبات پر غور وفکر کا موقع دیا یہ خیالات بیشتر مایوسانہ وردمندانہ ہوتے تھے اور میر صاحب انھیں کی اُدھیڑبن میں رہتے تھے لہٰذا ایسے جذبات کی تصویریں بے مثل کھینچے ہیں لیکن جس شخص کے دروازے کے پاس باغ ہو مگر برسوں گزر جائیں اور اسے خبر بھی نہ ہو وہ بہار و باغ کی تصویر کیا کھینچے گا۔ میر صاحب کے یہاں اس قسم کی تصویریں کم ہیں اور جو ہیں ان کے رنگ پھیکے اور دھندلے ہیں جس کی وجہ سے پوری تصویر نظر کے سامنے نہیں آتی۔ سودا اس قسم کی محاکات کا بادشاہ تھا، دیکھئے کیسی کیسی رنگین اور دلکش تصویریں کھینچتا ہے ؎

۱ ساقی ہماری تو بہ تجھے پہ ہے کیوں گوارا ۔ منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارا

۲ ساغر صبح تک لاویں ہی لاویں تو سبو کو جام کیا ۔ چمن میں آئے ہیں کر کے تجھکو باد سحر یہ گھبرائی

۳ دی لا لہ خود رونے یہ کہہ کہہ کر ساکو آتش ۔ ابر سیاہ کو آجہا ملے ہے وہ بھی نہیں سودا

۴ خرد شِ ابر سے دمساز کیا آواز قلقل ہے ۔ یہ کیفیت ہو ساقی جلوہ ہائے برق جھنگ ن

کسے طاقت ہے شرحِ شوق اس مجلس میں کرنے کی ۵ اٹھا دینے کے ڈر سے سانس واں لیتے ہیں رہ رہ کر

شور سن کر ہمنواؤں کا ابلتا ہے یہ دل ۶ رخصتِ یک نالہ لے یا دباتی ہے بہار

ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آ جاتا ہوں ۷ صیدِ خائف کی طرح رو لبھتا جاتا ہوں

اسے تو چہچہا کہیے جو یہ قلقل ہے شیشے میں ۸ مئے گلرنگ بھی ساقی عجب بلبل ہے شیشے میں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھکو نیند ۹ جس کو پکارتا ہوں وہ کہتا ہے مر کہیں

دیتی ہی نہیں چین بدی اپنے گماں کی ۱۰ سائے سے اس کے میں ہٹتا ہوں کوئی جائے کہیں کو

گلریز محبت ہے دل سوختہ میرا ۱۱ شب نالے میں کرتا ہوں پپیہے کی سی دم لے

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ۱۲ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

بہار و باغ ہو مینا ہو جام و صہبا ہو ۱۳ ہوا ہو ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو

وہم غلط کار نے دل خوش کیا ۱۴ کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

ان اشعار میں کسی نہ کسی واقعہ یا جذبہ کی تصویر پیش نظر ہو جاتی ہے۔ ایسے اشعار سودا کے دیوان میں بہ کثرت موجود ہیں۔ اس اقتباس سے بھی ہر ایک کی وضاحت میں طول ہو جائے گا اور چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ایک شعر بھی ایسا نہیں جو مبہم ہو مگر بعض کی خوبیاں عرض کرتا ہوں۔

نمبر ۲ میں ایک معمولی واقعہ کو یعنی صبح کے وقت ہوا چلتی ہے اور کلیاں

کھاتی ہیں کس لطیف پیرائے میں دکھایا ہے، باغ میں خبر پہنچی کہ وہ مست ناز
آئے گا اور مصروف بادہ نوشی ہوگا نسیم سحر انتظام کرنے اور ادھر اُدھر دوڑنے
لگی، پیالے نہیں ملے تو گھبراہٹ میں اس نے صراحیوں کو توڑ کر جام بنا لیا۔
غنچوں کی تشبیہ سبو سے اور گل کی جام سے ظاہر ہے، پھولوں میں شبنم کے
قطرے گویا شراب ہیں خبر رساں کون تھا، مرغان سحر کا زمزمہ، مزید لطف یہ
ہے کہ اشارے ہی اشارے ہیں معشوق کو آفتاب سے تشبیہ دے گئے،
آفتاب نکلا اور شبنم غائب ہوئی گویا معشوق نے شراب نوش کی، یہ شعر ایسے
محاکات کی مثال ہے جس میں صرف چند اجزا بیان کئے جاتے ہیں۔ باقی
تصویر خود تخیلہ پیدا کر لیتی ہے نمبر ۱۳ (بہار و باغ الخ) ایسا شعر ہے جس میں
تصویر کے تمام اجزا موجود ہیں، اس میں " دنیا ہو" کے ٹکڑے نے شعر کو زمین
سے آسمان کو پہنچا دیا دل ہو، شوق ہو، اُمنگیں ہوں، حوصلے ہوں، ولولے
ہوں ورنہ بہار و باغ، شراب و ساقی بیکار، نمبر ۱۴ (یہ کیفیت ہے ساقی) کا
قریب قریب وہی مطلب ہے جو نمبر ۱۴ کا ہے۔ لیکن اس میں ساقی کی مخمور
آنکھوں اور آوازِ قلقل کی طرف خاص توجہ دلائی ہے ساقی کی مستانہ حرکتیں اور
اس کا تبسم بجلی سے چشمک زن ہے آوازِ قلقل سن کر ابر مست ہوگیا۔ ایک

اور نکتہ یہ ہے کہ پہلے بجلی چمکتی ہے اور پھر بادل گرجتا ہے، شعر میں اس ترتیب کا بھی لحاظ رکھا ہے، نمبر ۸ (اسے تو چھپا الخ) خاص شرابیوں کی زبان میں ہے اور انگریزی تصویر Drunkards' Address to the moon. (شرابی چاند کو مخاطب کرتا ہے) کا جواب ہے۔ نمبر ۹ (شورش کربلا الخ) "ہل" جاتی ہے بہار کے ٹکڑے پر غور کیجئے معلوم ہوتا ہے کہ بے اختیار منہ سے فریاد نکل گئی۔

محاکات کی جان تخیل ہے کیونکہ مشاہدات میں ترتیب اور توافق پیدا کرنا آب و رنگ چڑھانا قوت تخیل ہی کا کام ہے۔ ورنہ خالی محاکات نقالی سے کم نہیں۔ محاکات کے لئے تخیل ضروری ہے، مگر تخیل میں محاکات ضروری نہیں اشعار مندرجہ بالا صرف محاکات بلکہ تخیل کی بہترین مثال ہیں۔

اب چند ایسے اشعار پیش کرتا ہوں جن میں تخیل کا عنصر غالب ہے یا محض تخیل ہے۔

دکھلا کے لیجا کے تجھے مصر کا بازار   خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

(اس شعر کو غالب نے تیر نشتر کہا ہے ملاحظہ ہو عود ہندی)

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفت دیں کو   خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

موج نسیم آج ہے آلودہ گرد سے   دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پئیں تو مزہ ہے شراب کا

چمن میں ابر بہار سے اب شراب ٹپکے تو کیا عجب ہے
ہوا ہے رونا قبول ساقی جنابِ عالی میں مے کشاں کا

ایکدن تجھ سے سلگ اُٹھتے نہ دیکھا کارِ دل
اے جرس حال کچھ اس فریاد بے تاثیر کا

پرے رہ برق خارِ آشیاں سے میری کہتا ہوں
اُڑیگا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یاں اٹکا

جوں شمع تن ہوا شبِ ہجراں میں صرفِ اشک
پھر جسقدر میں چاہوں تھا اتنا نہ رو سکا

اشارے کے بلانے سے ہوا رسوا ہی بیہودا
قیامت پھر آئے گی جو تیرے قول پہ پھولا

تاثیرِ عشق نے مژہ درد دکھو دیا
اس نے نداں دیکھ مرا حال رو دیا

دعا سے کس کی قیامت کو پہنچی ہے مری عمر
ہے روزِ حشر شبِ ہجر ایک دم جینا

سخنِ عشق نہ گوشِ دلِ بیتاب میں ڈال
مت یہ آتشکدہ اس قطرۂ سیماب میں ڈال

خانۂ دل کہ ہو حزن ہونیکا آئیں جس میں
ہے وہ اک بیت کہ سوجھی ہیں زمیں جس میں

ساقیا بزم میں نہیں آج خلل سے خالی
جام کچھ اوروں سے دیتا ہے تو ہم کو نہیں

کر کے توبہ ناصحا سودا مصلیٰ کل ہوا
آج پھر پی ہے مصلیٰ رکھ گرو جام کو

رخصت نہیں ہے اپنے تئیں ورنہ عندلیب
تاثیرِ صد ترانہ اک آہِ سحر میں ہے

ہم ہیں وارستہ محبت کی مددگاری سے
سب سے آزاد ہوئے دل کی گرفتاری سے

اثر نے آہ میں ہر چند لے تاثیر نالے ہیں ۔۔۔ پتا ملتا ہے کہ ان دونوں سے میرا دل بہلتا ہے
گل ہے، عاشق ترا قسم مت کھا ۔۔۔ یوں گریباں کسی کا پھٹتا ہے
مستی سے اس نگاہ کی اے محتسب خبر ۔۔۔ دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی
درد میرے استخواں کا کیا ترا دمساز ہے ۔۔۔ اسقدر اے نے تری محزون کیوں آواز ہے
ناتوانی بھی عجب کچھ ہے کہ گلشن میں نسیم ۔۔۔ نت لئے پھرتی ہے دوش اوپر بہ رنگ بو مجھے
ہے تبسم تجکو فلک دے تو جہاں تنگ چاہیے ۔۔۔ جلوۂ حسن اسے حسرت دیدار ہے مجھے
گل پھینکے ہیں عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی ۔۔۔ اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی
جو طبیب اپنا تھا دل اسکا کسی پر زار ہے ۔۔۔ مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

تخیل کے میر اور سودا دونوں بادشاہ ہیں، مگر ایسے تخیلی اشعار جن میں جذبات درد و الم کا بیان ہے میرؔ سوداؔ سے بہتر کہتے ہیں، اسی طرح جو رنگینی جدت اور شوخی سودا کے تخیلی اشعار میں ہے میر کے یہاں نسبتاً کم ہے تخیل اور محاکات شاعری کی جان و روح ہیں اور تشبیہ و استعارہ اس کے خط و خال جن کے بغیر انشا پردازی کا کمال قائم نہیں رہ سکتا۔ ان سے کلام میں وسعت اور زور پیدا ہوتا ہے، جب کسی نہایت نازک اور لطیف چیز یا حالت کا بیان کرنا ہوتا ہے تو الفاظ اور عبارت کام نہیں دیتے اور یہ نظر آتا ہے کہ الفاظ نے ان کو چھوا تو

صدمہ پہنچ جائے گا ایسے موقعوں پر شاعر کو تشبیہ سے کام لینا پڑتا ہے اور وہ اسی قسم کی لطیف اور نازک صورت کو ڈھونڈھ کر پیدا کرتا ہے اور پیش نظر کر دیتا ہے سنیئے ؎

صدا نہ دل سے ہوئی دیکھکر میگوں چشم   تری نگاہ سے ٹوٹا خمار کے مانند
ہر خار سے الجھا ہے مراد امن پرواز   ہوں رشتہ بپا بلبل گلزار محبت
گل کو چمن میں شاخ پہ اتنا نہیں غرور   کرتا ہے تیرے ہاتھ میں جو کچھ کہ جام ناز
آشنا لذت نہیں دل سے خیال رخ یار   آ رہی ہے لاکھ فسوں سے یہ پری شیشے میں

تشبیہ میں جب تک کوئی ندرت اور خاص خوبی نہ ہو وہ کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی اس لئے شاعر کا فرض ہے کہ جدید اور نادر تشبیہیں اور استعارے ڈھونڈھ کر نکالے اس کی مثالیں ان اشعار میں موجود ہیں، مگر سودا کی ایک غزل کے چند اشعار پیش کرتا ہوں، بندش کی چستی تشبیہ کی نزاکت، استعارے کی لطافت قدرتی مناظر کے محاکات نے مل کے ایک عالم پیدا کر دیا ہے جس کی تصویر قلم سے کھینچنا ناممکن ہے، یہ اشعار صرف مرزا کی قادر الکلامی اور زور طبع کا بین ثبوت نہیں بلکہ اردو کے لئے مایہ ناز ہیں اور بلا خوف تردید فارسی غزلوں کے مقابلہ ۴
میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

وصف نشاط بادۂ حسنِ ظہورِ صبح — مل کر ہوا ہے خلق جہاں میں سرورِ صبح
لہرا رہی ہے نسیمِ سحر کیا ہی ساقیا — گویا ہے موج بادہ بہ جامِ بلورِ صبح
حلقہ میں اس کی زلف کے عارض پہ کر نظر — جوں شب میں رہ گیا ہو گرہ کھا کے نورِ صبح
گزرے ہے چشم تر سے مرے یوں وہ سیم تن — جیسے کنارِ بحر سے ہووے عبورِ صبح
آویزۂ گہر سے بناگوشِ یار میں — یا سرنگوں ہے اس کے مقابل غرورِ صبح

سودا کہوں میں یار سے کیا جس کے سامنے
اڑ جائیں ہیں حواس برنگ طیورِ صبح

ایسی نادر لطیف اور بلند تشبیہیں اور استعارے میر صاحب کے کلام میں نسبتاً کم ہیں۔ شاعری کے لئے جدت و لطفِ ادا سب سے مقدم ہے۔ ایک بات سیدھی طرح سے کہی جائے تو ایک معمولی بات ہے اسی کو اگر جدید انداز اور نئے اسلوب سے ادا کر دیا جائے تو یہ شاعری ہے، جو اشعار لکھے گئے ہیں اس شرط کو بھی پورا کرتے ہیں مگر دل چاہتا ہے کہ کچھ اور اضافہ کروں۔

رہتا ہے ان دنوں دہنِ یار کا خیال — بھاتا ہے ناصحا سخنِ مختصر مجھے
ہے دست فدائی میں تو یہ کیجئے منادی — ظالم ہو جو کوئی وہ طرح دار نہ ہووے
عجب بیداد حسرت پر مری بیداد کرتا ہے — دکھا دے ہے مجھے [illegible] ناز کرتا ہے

خیال اپنے میں گو ہوں ترانہ سنجاں مست — کر اپنے کو دلوں کے کبھی سنا بھی ہے
بچا ابھی سے مرتا ہو شب ہجر میں سودا — اب کہنے کو افسانہ کوئی نوحہ گر آئے
بوئے گل باد صبا کوچہ کو کس کے یارب — دوڑے ہیں دونوں بہم باندھ کے دامن دامن
اس واسطے کہ ہیں یہ وحشی نکل نہ جاویں — آنکھوں کو تیری مژگاں ڈورے دار سے کستیاں ہیں
سبق ناز پڑھا کس نے چمن میں جا کر — جنبش لب نے لٹائے ورق گل خوں میں
الہی ہو سکت نسیم البدل کے تحفہ دینے کی — مجھے اسکے عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر دے دل کو
بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے — اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

سودا کے یہاں جدت و لطف ادا کے ساتھ رنگینی ہے۔ میر صاحب کے کلام میں سادگی میں جدت اور اسی کے ساتھ درد ہے، جس سے دل پر فوراً اثر ہوتا ہے دونوں اپنے اپنے طرز میں کامل تھے۔

مسائل حکمت و فلسفہ پر بھی سودا بہت گہری نظر ڈالتا تھا اور ہر چیز کی تہ کو پہنچنے کی کوشش کرتا تھا اور اسے مختلف علوم پر عبور تھا۔ مثلاً

یوں باز اغند تو سے ہم کو ریگ ہے جسم — جیسے خسوف ماہ کے حائل زمیں ہے

اس شعر میں حکمت و سائنس کے ایک سے زیادہ مسائل کو نظم کیا ہے
(۱) تعلقات دنیوی ترکیب نفس میں مانع ہوتے ہیں اور روح کی کثافت کا

باعث ہوتے ہیں (۲) چاندگہن کا باعث آفتاب و ماہتاب کے درمیان کرۂ ارض کا حائل ہونا ہے۔ (۳) چاند میں بالذات روشنی نہیں بلکہ آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے (۴) انسان جب "میں" یا "ہم" کہتا ہے تو گویا روح بولتی ہے اور صرف روح اکتساب انوار کی قابلیت رکھتی ہے جسم بظاہر ایک خارجی شے ہے اور روح و نور کے مابین ایک ایسے ظاہری حجاب کا کام دیتا ہے جس طرح حباب کی ہیئت جسمانی اس قطرے کو جو حباب میں ہے دریا سے جدا کرتی ہے۔ ان سب مسائل کو سودا نے دو مصرعوں میں ضبط کرکے انتہائے قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔

ایک شعر اور درج کرتا ہوں جس میں احساس و ادراک کا نازک فرق دکھایا ہے ؎

نورا خذ ہنر کرنے میں دل کا میں گنوایا　　　جوں آئینہ جوہر نے مجھے عیب لگایا

تحصیل ہنر یا حصول کمال میں دل کا نور ضائع ہو گیا جس طرح آئینہ زیادہ صاف ہو کر اپنے جوہر جس جگہ نمایاں کرتا ہے اتنا حصہ زیادہ روشن نہیں رہتا۔ بلکہ دھبوں کی طرح بظاہر عیب دیتا ہے۔ یہی جوہر داغ ہائے معیوب بھی ہیں اور نشانات کمال بھی۔ کیونکہ جب تک جوہر نمودار نہ ہو جائیں

تکمیل جلا اور تنویر صفا نہیں جو حصہ جوہروں سے مملو ہو جاتا ہے اتنی جگہ پر صورت بخوبی منعکس نہیں ہوتی۔ یہ بھی ایک ثبوت ہے اس بات کا کہ دل کا نور ضائع ہوا اور کمال نے مجھ میں عیب پیدا کر دیا، اس بلاغت پر قناعت نہیں ہوئی مزید نزاکت یہ ہے کہ آئینہ مصفا مرئیات سے متعلق ہے لہذا محسوسات ظاہر میں داخل ہے، اور جوہر کی وقعت اسی کے ادراک میں ہے جو خود اس فن کے عرفان میں صاحب جوہر ہے تو اب شعر کا مقصود اصلی یہ ہوا کہ سالک کا تصفیۂ قلب بدرجۂ کمال پہنچ کر محسوسات میں ناقص اور مدرکات میں کامل ہوتا ہے، شعر کیا ہے ایک دنیا ہے۔

حکمائے جدید نے آسمان کو صدنظر مانا ہے اور اس کی نیلاہٹ کو ہوا کا رنگ قرار دیا ہے۔ سودا کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ایسا خیال موجود تھا ؎

کر خانۂ گردوں پہ نظر چشم فنا سے ہے مثل حباب اسکی بھی تعمیر ہوا پہ

چند شعر اور جن میں حکمت یا فلسفہ یا تصوف ہے درج کرتا ہوں۔

پردے کو تعین کے در دل سے اٹھادے کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
ہستی سے عدم تک نفس چند کی ہے راہ دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

دیر و حرم کو دیکھا اللہ رے فضولی — یہ کیا ضرور تھا جب دل کا مکاں بنایا
آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
گزرا کبھی نہ وہم میں وہ اہلِ ہوش کے — دنیا سے لطفِ زیست جو دیوانہ لے گیا
اسبابِ جہاں دل نے کئے جب نظر انداز — پوچھا جو میں کیا دیکھے ہو دیوانے کہا ہیچ
چمن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم — خندۂ گل نہ سہی گریۂ شبنم سے دور
منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں — یہ سب حویلیاں ہیں جہاں تک ہیں اب اجاڑ
بات آئے نہ تو چپ رہ کہ گماں کے نزدیک — سو طرح کا ہے سخن پردۂ خاموشی میں
ہم دعا تو مانگیں اپنے حق میں پر ساماں کہاں — لاکھ اہلِ دل ہیں کہنے کو آمیں چاہیے
وہ قدم جس کو رگِ گل سے بھی ہوتی تھی خلش — سجدہ گاہِ سنگ ہے یا بوسہ گاہِ خار ہے
خوب دیکھا یہ جہاں اہلِ جہاں بھی دیکھے — ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گنہگار کئی
بھاگ دیوانے سے مت اے غافل — وہیں لیلیٰ ہے جہاں مجنوں ہے
چاہا کہ چل حباب میں دیکھوں یہ کائنات — کھولی جو آنکھ اور ہی عالم کی سیر ہے

لفظ جسم ہے اور معنی اس کی جان، دونوں کا باہمی ارتباط ظاہر ہے۔ پس اگر معنی میں نقص نہ ہو اور لفظ میں ہو تو بھی شعر میں عیب سمجھا جائے گا، جس طرح لنگڑے اور لنجے میں جان موجود ہوتی ہے لیکن جسم میں عیب ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر الفاظ اچھے ہوں اور مضمون اچھا نہ ہو تو بھی شعر خراب ہوگا اور مضمون کی خرابی الفاظ کو بے وقعت والا شئے بنا دے گی جس طرح مردہ کا جسم کہ دیکھنے میں سب کچھ سلامت ہے لیکن حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح مضمون گو اچھا ہو لیکن الفاظ اگر برے ہوں تب بھی بیکار ہوگا کیونکہ جان بغیر جسم کے نہیں پائی جاتی اگرچہ الفاظ اور مضمون میں تناسب ضروری ہے لیکن شاعری کا معیار کمال یہی ہے کہ مضمون ادا کن الفاظ میں کیا گیا ہے اور بندش کیسی ہے، مضمون کیسا ہی ہے بلند اور لطیف ہو لیکن الفاظ میں اگر تناسب، شان و شوکت اور بندش میں پختگی نہ ہو تو سارا اثر جاتا رہے گا۔

الفاظ چند قسم کے ہوتے ہیں بعض نازک نہایت شستہ، صاف، رواں اور شیریں اور بعض پُر شکوہ، پُر شوکت متین، بلند، پہلی قسم کے الفاظ عشق و محبت کے مضامین ادا کرنے کے لئے موزوں ہیں۔

سودا نے بیشتر اس امر کا لحاظ رکھا ہے، لیکن کہیں کہیں زور طبع سے غزلوں میں قصیدہ کی شان دکھائی ہے میر صاحب کی غزلیں اس قسم کے پُرشکوہ الفاظ سے بے داغ ہیں، سودا کی یہ غزلیں اگرچہ اصول غزلیت کے لحاظ سے قابل بحث ہیں لیکن ہر شعر الگ الگ دیکھا جائے تو چستی بندش اور

تناسب الفاظ کے لحاظ سے قابل تعریف ہے، مثلاً

پونچھ کر چشم کریں ہم جو فشار دامن   باج خواہاں ہوں گے ابر سے تار دامن
دل نا آشنائے نالہ سے صوت جرس بہتر   نہ ہو مژگاں جو خوں آلودہ اس سے خار و خس بہتر
آتش جو عشق کی ہے سو نور بصر میں ہے   شعلہ زباں دراز دری چشم تر میں ہے

ایک امر اور بھی قابل لحاظ ہے۔ اردو شاعری فارسی کے قدم بقدم چلی ہے متاخرین شعرائے فارسی نے غزل میں فلسفہ حکمت سب کچھ شامل کر دیا ہے۔ بلکہ خود عشق کو فلسفہ بنا دیا ہے اور عشقیہ اشعار میں وہ شان پیدا کر دی ہے جس کی نظیر دنیا کی دوسری زبانوں میں مشکل سے ملے گی۔ شعرائے اردو اساتذہ فارسی کے متبع ہیں۔ اس لئے فارسی غزل گوئی کے لحاظ سے غزل میں شکوہ الفاظ نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض مواقع پر ناگزیر ہے۔ البتہ غزل اور قصیدہ کے شکوہ میں فرق ہے یہی وہ موقع ہے جہاں کامل الفن استاد کا جوہر کمال نظر آتا ہے۔ ایک دقیقہ سنج استاد نہایت پر شکوہ اور شوکت آمیز غزل کہتا ہے لیکن شان غزلیت کا سر رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ دوسرا اس نکتہ سے ناواقف شاعر اس کا تتبع کرتا ہے اور غزل کو قصیدہ کی تشبیب بنا دیتا ہے۔ شعرائے اردو میں مرزا غالب کو اس صنف غزل میں خاص دستگاہ حاصل ہے۔ سودا بھی

اس میدان کا شہسوار ہے لیکن طبیعت کا زور کبھی کبھی رشتۂ قلم اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور غزل گوئی کے میدان سے نکل کے تشبیب کے میدان میں اپنا زور کمال دکھانے لگتا ہے، اور یہ سودا کی خصوصیت نہیں بلکہ زور طبع شعرا سے اس قسم کا تسامح ہو جاتا ہے اور اگر اس قسم کی مثالیں بہ کثرت نہ ہوں تو ان کی استادی میں فرق نہیں آتا۔

یہ بحث الفاظ کی انفرادی حیثیت کے متعلق تھی۔ اس سے زیادہ مقدم الفاظ کا باہمی تعلق اور تناسب ہے، یہ خوبی سودا کے اشعار میں بدرجہ اتم موجود ہے یہاں تک کہ اس کے شعر میں اگر ایک لفظ کا بھی رد و بدل ہو جائے تو شعر کا لطف جاتا رہتا ہے، الفاظ میں باہمی توافق، تناسب، موزونی اور ہم آوازی نہایت ضروری ہے تاکہ سب الفاظ مل کر ایک ہی جسم کے اعضا بن جائیں اسی کا نام سلاست، صفائی اور روانی ہے اور اسی سے شعر میں موسیقیت پیدا ہوتی ہے، میر اور سودا کے منتخب کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

الفاظ کی ظاہری حیثیت یعنی آواز صورت اور لہجہ کے علاوہ ان کی معنوی حالت کا خیال رکھنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے، بہت سے الفاظ بظاہر مترادف ہوتے ہیں لیکن ہر ایک مفہوم اور معنی میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے

جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی ؎

کمال بندگی عشق ہے خداوندی   کہ ایک زن نے مہ مصر سا غلام لیا

اس شعر میں "زن" کا لفظ کس خوبی سے استعمال ہوا ہے۔ اس کے بدلے زلیخا ملکۂ مصر عورت یا اور کوئی لفظ رکھ دیجئے ہرگز وہ لطف پیدا نہیں ہوسکتا سودا کے اشعار میں یہ خاص صفت ہے کہ باوجود تناسب لفظی کے، خیال فوراً معنی کی طرف جاتا ہے۔

کیوں نہ کہتے تھے دلا شیریں لبوں کی منہ نہ لگ   ایک دن تجکو یہ شربت زہر قاتل ہوئیگا

پہلے شعر کے معنی اثر کرتے ہیں اس کے بعد تناسب الفاظ کا ادراک ہوتا ہے۔

فصیح اور مانوس الفاظ کا انتخاب شاعر کے لئے نہایت ضروری ہے،

فصاحت سے یہ مراد ہے کہ حرفوں میں تنافر نہ ہو، لفظ نادر الاستعمال نہ ہو، قیاس لغوی کے مخالف نہ ہو مگر یہ تعریف منطقی اصول پر ہے، متقدمین کے کلام پر ہمیں اپنے موجودہ معیار سے ادبی راستے قائم کرنا نہ چاہیئے، کیونکہ جب سے اب تک زبان میں بہت تغیرات ہو گئے کتنے الفاظ اب متروک ہیں جو پہلے مستعمل تھے، اس یہ دیکھنا چاہیئے کہ سودا کے معاصرین یا جو کچھ اس کے بعد ہوئے اس کی فصاحت کے قائل ہیں یا نہیں اس کے متعلق "دریائے لطافت" و دیگر

تصنیفات سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے عرض کر چکا ہوں جس شخص کو زبان پر حاکمانہ قدرت ہو اس کی فصاحت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔" رسالہ عبرۃ الغافلین" سودا کی تحقیق زبان کی عمدہ مثال ہے۔ اس لطیفہ سے بھی اس کی زبان دانی ثابت ہوتی ہے۔

ایک دن سودا کے یہاں میر سوز تشریف لائے، ان دنوں میں شیخ حزیں کی غزل کا چرچا تھا جس کا مطلع یہ ہے ؎

میگرفتیم بجاناں سرراہے گاہے   او ہم از لطف نہاں داشت نگاہے گاہے

میر سوز نے اپنا مطلع پڑھا ؎

نہیں نکلے ہے مرے دل کی اُبا ہی گاہے   اے فلک بہر خدا رخصت آہے گاہے

مرزا سن کر بولے کہ میر صاحب بچپن میں ہمارے یہاں پشور کی ڈومنیاں آیا کرتی تھیں یا تو جب یہ لفظ سنا تھا یا آج، میر سوز بیچارے ہنس کر چپ ہو رہے۔

(منقول از آب حیات)

سودا نے میر صاحب کے ایک مرثیہ اور سلام پر بہت سے اعتراض کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے

میر

لامکاں بھی ایک بازی گاہ طفلی ہے ترا   کوئی مکاں تم سی نہیں پاتا میں خالی السلام

سودا

عوض "کوئی مکان" جو لفظ فصیح　　بولتے "کوئی جا" تو یہ تھا صحیح

انصاف سے دیکھئے کہ اس ترمیم سے شعر میں کس قدر صفائی سلاست اور مفہومیت بڑھ جاتی ہے۔ لامکاں کے لحاظ سے لفظ "جا" ہی مناسب تھا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سودا کے کلام کا اس کے معاصرین کے کلام سے موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان کے یہاں آپ کو کتنے الفاظ غیر مانوس معلوم ہوتے ہیں اور کتنے اس کے یہاں۔ سادگی ادا کے یہ معنی ہیں کہ جو مضمون شعر میں ادا کیا گیا ہے بے تکلف سمجھ میں آجائے' اس کے واسطے یہ باتیں ضروری ہیں۔

(۱) الفاظ اپنی مقررہ جگہ سے زیادہ ہٹنے نہ پائیں۔

(۲) مضمون کے جس قدر اجزا ہیں ان کا کوئی جزو رہ نہ جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ بیچ میں خلا رہ گیا۔

(۳) استعارے اور تشبیہیں دور از فہم نہ ہوں۔

(۴) تلمیحات ایسی ہوں جن سے لوگوں کو عموماً واقفیت ہو۔

(۵) روزمرہ اور بول چال کا لحاظ رکھا جائے۔

(۶) شعر میں اوزان اور بحر کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ الفاظ کے ردو بدل کی اکثر ضرورت

ہوتی ہے سودا کو جس قدر نشست الفاظ کا خیال تھا میر صاحب کو نہیں تھا حسن اتفاق سے مجھے دونوں کا ایک ایک شعر ایسا مل گیا ہے کہ جن کے پہلے مصرعے لفظ بہ لفظ لڑ گئے ہیں۔

سودا

آنکھیں بہ رنگ نقش قدم ہو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظار خط

میر

آنکھیں بہ رنگ نقش قدم ہو گئیں سفید
نامے کے انتظار میں، قاصد بھلا پھرا

سودا کے شعر کی بندش کس قدر چست ہے، اور ہر لفظ نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے۔ میر کے شعر کا دوسرا مصرعہ بہت الجھا ہوا ہے، ان اشعار سے دونوں کی انداز طبیعت کا بھی حال کھلتا ہے۔ سودا کے دوسرے مصرعے کی بندش اور لفظ خاک سے (علاوہ لطف محاورہ و رعایت نقش قدم) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق مجبور انتظار خط میں بیحد مضطرب ہے اور زمین پر لوٹ لوٹ دے مارتا ہے۔ بعد اس قدر انتظار کے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اس اضطراب کا نتیجہ موت ہے یا دیوانگی۔

میر صاحب کے شعر سے وہی افسردگی جوان کی طبیعت کی افتاد سے ٹپکتی ہے۔ جب آنکھیں قاصد کے انتظار میں سفید ہو گئیں ایک مرتبہ آہ سرد بھر کر کہا

کہ نامہ کے انتظار میں آنکھیں برنگ نقش قدم سفید ہوگئیں مگر قاصد واپس نہ آیا اور خاموش ہوگئے، سودا کے شعر میں جوش و خروش ہے اور میر کے شعر میں حزن و اضمحلال

(۲) مطلب کی تکمیل میں سودا، میر سے نسبتاً زیادہ کامیاب تھا مشکل سے اس کا کوئی شعر ملے گا جس میں اپنی طرف سے کسی لفظ کے بڑھانے کی ضرورت ہو، برخلاف اس کے میر صاحب کے بعض اشعار میں خلو پایا جاتا ہے،

میر

گل میں اس کی سی جو بو آئی تو آیا نہ گیا ۔۔۔۔ ہم کو بن دوش ہوا باغ سے لایا نہ گیا

سودا

ناتوانی بھی عجب کچھ ہے کہ گلشن میں صبا ۔۔۔۔ نت لئے پھرتی ہے دوش اوپر بنگ بو مجھے

میر صاحب کے شعر میں ناتوانی کا لفظ غائب ہے اور بغیر اس کے دوش ہوا پہ واپس آنا واضح نہیں ہوتا، مگر انداز بیان اور بندش بہتر ہے۔ اسی کے مشابہ میر و سودا کے یہ اشعار ہیں۔

میر

چمن میں گل نے جو کل دعوئ جمال کیا ۔۔۔۔ جمال یار نے منہ اسکا خوب لال کیا

سودا

برابری کا تری گل نے جب خیال کیا ۔۔۔۔ صبا نے مار تھپیڑا منہ اسکا لال کیا

میر

کیا میں بھی پریشانی خاطر سے قریں تھا ... آنکھیں تو کہیں تھیں دل غمدیدہ کہیں تھا

(یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کس وقت ایسی حالت تھی، آیا ہجر میں یا معشوق کے انتظار میں)

(۳) دونوں فہم تشبیہیں اور استعارے دونوں استعمال نہیں کرتے۔ البتہ سودا کی بعض تشبیہیں اور استعارے اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ بغیر تھوڑی کاوش کے سمجھ میں نہیں آتے، تشبیہ در تشبیہ استعارہ در استعارہ سے دونوں احتراز کرتے ہیں۔

(۴) تلمیحات بھی دونوں کے کلام میں عام فہم ہیں۔

(۵) روزمرہ اور محاورہ کے بھی دونوں بادشاہ ہیں۔ مگر سودا نے اپنی قادر الکلامی سے فارسی استعاروں کو ہندی محاورے سے اس طرح شیر و شکر کیا ہے اور زبان میں اس قدر زور پیدا کیا ہے کہ تعریف نہیں ہوسکتی اس لحاظ سے اس کو میر پر فوقیت ہے (ملاحظہ ہو آب حیات صفحہ ۱۹۷)

شاعری کی بڑی خوبی جدت ادا ہے، جدت ادا میں بات کو خواہ کسی قدر معمولی پیرائے سے بدل کر اور اصلی راستے سے ہٹ کر بیان کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے شاعر کو اس موقع پر سخت مشکل کا سامنا ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں

سادگی ادا کو قائم رکھنا گویا اجتماع بین النقیضین ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں شاعری کے کمال کا یہی موقع ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جدت کے سوا سادگی کی اور تمام باتیں موجود ہوں یعنی الفاظ سہل ہوں تشبیہات قریب الفہم ہوں، ترکیب میں پیچیدگی نہ ہو۔ روزمرہ اور محاورہ موجود ہو۔ ان سب باتوں کے ساتھ جدت ادا میں تجاوز نہ کیا جائے اس صورت میں جدت کی وجہ سے سادگی میں کسی قدر فرق پیدا ہوگا تو اور باتیں اس کی تلافی کر دیں گی۔

میں دوبارہ سادگی کے مفہوم کی طرف توجہ دلاتا ہوں محض سیدھے سادے الفاظ کا نام سادگی نہیں ہے بلکہ یہ کہ شعر بے تکلف سمجھ میں آجائے ایسے اشعار جو تھوڑی کاوش کے بعد سمجھ میں آئیں میر اور سودا دونوں کے یہاں ملیں گے، ہر شعر میر اور سودا کا شہرت کا گھرونٹ نہیں ہے۔ سادگی اور جدت ادا دونوں کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ جو اشعار درج ہو چکے ہیں ان میں یہ صفتیں بھی موجود ہیں۔

اکثر غزلیں سودا اور میر کے دیوانوں میں ہم طرح ہیں ان کا مقابلہ کیجئے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ سودا کہیں میر سے پیچھے نہیں رہا، بعض قافیے میر کا حصہ ہو گئے اور بعض سودا کا، میں نے میر کی ایسی غزل کا انتخاب کیا ہے جس کے کئی شعر مشہور ہیں۔

میرؔ ~ عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

سوداؔ تھا جوانی فکر و تردد بعد از پیری پایا چین
رات تو کاٹی دکھ بھرنے میں صبح ہوئی آرام کیا

مضمون دونوں کا متحد اور عبارت کے لحاظ سے میر کا مصرعہ اولیٰ اور سودا کا مصرع ثانی فصیح ہے۔

میرؔ ~ حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا

سوداؔ کون سا بجھ سے حسن تردد عمل میں آیا تیرے حضور
دل کو غارت کر کے میری جان کو کیوں پیغام کیا

میر کا مفہوم یہ ہے کہ موت کی اطلاع تو پہلے ہی کر دی تھی اس لئے پیغام مرگ دینا قابل شکایت نہیں رہا البتہ یہ امر قابل شکر و منت ہے کہ عمر بھر زندہ رکھا اور اس جان بخشی کا احسان سر آنکھوں پر۔

غالب نے اگر یہ شعر نہیں دیکھا تو خیر ورنہ اسی سے ماخوذ ہے ~

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

سودا کہتا ہے کہ تیری حضوری یعنی تیرے عرفان میں میری فکر کس حسن کے
ساتھ واقع ہوگئی کہ دل تو فارت کر دیا گیا کیونکہ دل کی قوت اور حیثیت سے یہ معاملہ
بالاتر ہوگیا۔ مگر جان کو طلب فرمایا جو کہ لطافت کی وجہ سے نور سے مناسب و
مماثل ہے۔ میر کا شعر فصیح اور عجیب ہے۔ سودا کا شعر ابلغ اور غریب ہے۔ اُس میں
وضاحت اس میں ایہام اُس میں ندرت اس میں جدت وہ سہل ممتنع سے قریب
یہ مشکل سے بعید آخری حکم مذاق سے وابستہ ہے۔

میر — ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا"

سودا — اجل نے تیرے عہد میں ہے تقدیر کو پیغام کیا
ناز و تغافل دے کر اس کو مجھ کو کیوں بدنام کیا

میر (تصوف) — سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کے اوڑ گئے پر سجدہ ہر ہر گام گیا

(سودا خالص عشقیہ) — ادب رہا ہے ہاتھ سے اپنے بھلا کبھی میخانہ کا
کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر اک گام کیا

واقعیت سے علاوہ "ہر ہر گام" سے "ہر اک گام" فصیح تر ہے۔

میر — کاش اب منہ سے برقعہ اٹھائیے ورنہ پھر کیا جائے ہے
آنکھ منہ سے پر اُن نے گر دیدار کو اپنے عام کیا

سودا — خاص کروں گر میں ہی نظارہ تو تو دید کی لذت ہے
کور ہوئیں یہ آنکھیں اُس دن جس دن جلوہ عام کیا

دونوں نے قیامت کی طرف اشارہ کیا ہے مگر میر صاحب کا شعر الجھا ہوا ہے سودا کا شعر صاف ہے اور رشک نے جو عاشقی کی شان ہے خوب لطف دیا ہے

اثر

انتخاب غزلیاتِ سودا

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا — جوں شمع سراپا ہو اگر حرف زباں کا

پردے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے — کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن — جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

سودا جو کبھو گوش سے ہمت کے سنے تو — مضمون یہی ہے جرسِ دل کی فغاں کا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا — موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

توڑ دل یہ آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے — ہوئے نہ مجھکو پاس جو تیرے حضور کا

ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے — اے ہم صفیر فائدہ ناحق کے شور کا

کفر کی میری تجلی سے ہے نظیر شمع طور — تو جوں حسن جس بت کو ہیں اک نور ہے اللہ کا
عشق کی بھی منزلت کچھ کم خدائی سے نہیں — ایک سا احوال ہے یاں بھی گدا و شاہ کا

کوچہ گردی میں عجب عزت ہے اے عزت نشیں
پاؤں پڑ کر خار بٹھلاتا ہے مجھکو راہ کا

کس سے بیان کیجیے حال دل تباہ کا — سمجھے اسے وہی جو ہو زخمی تری نگاہ کا
دین و دل و قرار و صبر عشق میں تیرے کھو چکے — جیتے جی اب کی ہم تجھے نام نہ لینگے چاہ کا

سودا سنا ہے میں نے یہ آسیب ہوا تو مبتلا
رشک سے جس کے چہرے کے داغ جگر ہے ماہ کا

جل کر تو اے پتنگ گرا پائے شمع پہ — ہوں داغ عذر دیکھ کے تیرے گناہ کا

حاضر ہے تیرے سامنے سودا اگر اسکو قتل
مجرم یہ سب طرح سے ہے پر یک نگاہ کا

جہنم سے ڈراتا کیا ہے میخواروں کو اے واعظ — کہ چوب خشک سے بہتر نہیں کچھ باب آتش کا
نہ پہنچا میری اشک گرم سے آسیب مژگاں کو — بہا خاشاک کے سائے تو سیلا آتش کا
گلہ لکھوں میں اگر تیری بیوفائی کا — لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے — کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

مرے سجود کی دیر و حرم سے گزری قدر

رکھوں ہوں دعویٰ ترے در پہ جبہ سائی کا

ڈروں ہوں یہ نہ جانے شہر بند بکتار رونے کا
نظر آتا ہے پھر آنکھوں میں کچھ آثار رونے کا

جو ناکو اس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا
تو کہتا ہے کہ چپ رہ ہو چلے آزار رونے کا

میں اپنے حال پہ ہنستا ہوں ورنہ ہر گھڑی ظالم
محبت میں تری ساماں کیا تیار رونے کا

کبھی میں بات بن روئے نہیں کی اس پری تن سے
نہ پوچھا یوں سبب کیا ہے ترے ہر بار رونے کا

نڈھایا کون سا گھر سیل نے تجھ اشک کے سودا

گواہ اشک تو ہے میرے در و دیوار رونے کا

دل مرا پند کو نہ سمجھے گا
پند تیری کبھو نہ سمجھے گا

تجھ سا دانا ہزار حیف کہ تو
یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

شمع سے دور رہنے کو ہر چند
کہیو پروانے کو نہ سمجھے گا

یہ سمجھ لے تو اب کہ سودا کا

دل تری گفتگو نہ سمجھے گا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہنچے کب اس کو ہاتھ ہماری غبار کا

سورج نے ہم آج سے ہے آلودہ گردی
دل تھا کہ ہو گیا ہے کسی بیقرار کا

خون جگر شراب، ترشح ہے چشم تر ساغر مرا گرو نہیں ابر بہار کا

سودا شراب عشق نہ کہتے تھے ہم نہ پی

آخر مزا نہ پایا اب اس کے خمار کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا

تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا دماغ یارب برا ہو دیدۂ خانہ خراب کا

غافل غضب سے ہو کے کرم پر نظر نہ رکھ پر ہے شرار برق سے دامن سحاب کا

ای برق کس طرح سے میں حیران ہوں تیرے پاس نقشا ہے ٹھیک دل کے مرے اضطراب کا

سودا نگاہ دیدۂ تحقیق کے حضور

جلوہ ہر ایک ذرے میں ہے آفتاب کا

پوچھتے ہی پوچھتے گزرے ہے مجکو روز و شب

چشم ہے یارب مری یا منہ کسی ناسور کا

کیا کروں گا لیکے واعظ ہاتھ سے حوروں کے جام

ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

کس قدر نسبت الفت سے دل ہے سودا کا بھلا زخم نے دل کے نہ دیکھا منہ کبھی انگور کا

نہیں وہ صحبت میخانہ بے مہری سے ساقی کے
کبھی کوئی آن بیٹھے ہے جو دل پاتا ہے شیشے کا

نہ جانے یاد کر روتا ہے کس کے دل کے صدمے کو
کہیں ٹکڑا جو سودا کو نظر آتا ہے شیشے کا

زبس مجھ حال پر جلتا ہے ساقی کی جدائی میں   نہ سمجھو بادہ ہے آتش سے دل معمور شیشے کا

لگا نہ یار مت سودا اُن آنکھوں سے دل اپنے کو
کہ ہر بدمست سے رکھنا بھلا ہے دور شیشے کا

باطل ہے ہم سے دعوی شاعر کو ہمسری کا   دیوان ہے ہمارا کیسہ جواہری کا

طالب ہیں سیم و زر کے خوباں ہند سودا
احوال کون سمجھے عاشق کی بے زری کا

چمن پر ابر بہار سے اب شراب ٹپکے تو کیا عجب ہے
ہوا ہے رونا قبول ساقی جناب عالی میں میکشاں کا

برنگ شبنم بآب و دانہ عبث ہے کرنا یہ ناز تجھکو
نہ خرمن گل رہے چمن میں نہ رخت و اسباب باغباں کا

کب عشق کی حمیت یہ چاہتی ہے مجنوں   ناقے کے پاؤں اوپر پٹکے ہے دل جرس کا
مجھ صید ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو   محروم ذبح سے ہوں مردود ہوں قفس کا

پروانہ شمع رو پہ کیونکر نہ ہووے سودا
شعلے کے گرد پھرنا کب کام ہے مگس کا

چمن میں کس کے گرفتار زلف و کاکل کا   کہ اس قدر ہے پریشاں حال سنبل کا
قفس کے پاس نہ جا کر کے نام لو گل کا   ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خون بلبل کا

کبھو گزر نہ کیا خاک پہ مرے ظالم
میں ابتدا ہی سے کشتہ ہوں اس تغافل کا

لطف اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں   رحم اے آہ شرربار کہ جل جاؤں گا
چین دینے کا نہیں زیر زمیں بھی نالا   سوتوں کی نیند میں کرنیکو خلل جاؤں گا
چھیڑ مت باد بہاری کہ میں جوں نکہت گل   پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ایکدن تجھ بن سبک اٹھتے نہ دیکھا کارواں   اے جرس غافل کچھ اس فریاد بے تاثیر کا

سیم و زر کے آگے سودا کچھ نہیں انساں کی قدر
خاک ہی رہنا بھلا تھا بلکہ اس اکسیر کا

تیرے خط آنے سے دل کو میرے آرام کیا ہوگا　　خدا جانے کہ اس آغاز کا انجام کیا ہوگا

نہ دو ترجیح لے خوباں کسی کو مجھ پہ غربت میں　　زیادہ مجھ سے کوئی بیکس و ناکام کیا ہوگا

ہو جس کی چشم گردش سے یہ بیہوشی دو عالم کی　　بتلا دو دیکھو تو پھر وہ ساقی گلفام کیا ہوگا

کسی دیندار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکی سودا کے دل پر شام کیا ہوگا

نہ کھینچ لے شانہ ان زلفوں کو یاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

جوں شمع تن ہوا شب ہجراں میں صرف اشک　　پر جس قدر میں چاہوں تھا اتنا نہ رو سکا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ہمارے نالۂ سوزاں سے ہے یہ ڈھنگ آتش کا
کہ اس کے ذکر میں اڑتا ہے منہ سے رنگ آتش کا

وہ چوبِ کشتیِ شکستہ ہوں اس بحر میں جس کا
ڈبونا عار پانی کو جلانا ننگ آتش کا

دل مت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائیگا — جوں اشک پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائیگا
تیغ جفائے یار سے دل سر نہ پھیریو — پھر منہ وفا کو ہم سے دکھایا نہ جائیگا
عمامہ کو اتار کے پڑھیو نماز شیخ — سجدے سے ورنہ سر کو اٹھایا نہ جائیگا
ظالم میں کہہ رہا ہوں کہ اس خو سے درگزر — سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائیگا

دامان پہ داغ تیغ جو دھویا تو کیا ہوا
عالم کے دل سے داغ مٹایا نہ جائیگا

ہوا ہے یار کو یہ اشتیاق آئینہ کا — ز شام تا بسحر ہے فراق آئینہ کا
سوائے یار کی صورت نظر نہ کچھ آیا — ہمیں جو دید ہوا اتفاق آئینہ کا

زیادہ اس سے نہیں کوئی عیب گو سودا
سمجھ میں اپنی جو آیا مذاق آئینہ کا

ہمارے خانۂ دل کو ہے روشنی سے کیا — سوائے داغ نہیں وقف یاں چراغوں کا
ابھی تو بزم میں آئے ہیں تیری اے ساقی — کوئی دنوں تو مزا لینے دے ایاغوں کا

میخانے میں ازل کے مرے دل سے زاہدا
دھویا ہے نقش ساقی نے امید و بیم کا

غنچے کو دل کے یاں ہے دم سحر سے شگفت
شرمندہ اس چمن میں نہیں میں نسیم کا

کیا جانے کس طرح کا تو سنگ دل ہے ورنہ
یاں رشتہ محبت ہے کوہ کی کشش کا

باتیں کر عدو سے سودا کو گالیاں دو
قربان ہوں آپ کی میں اس داد اور دہش کا

جوشِ طوفاں دیدۂ نمناک سے کیا کیا ہوا
دیکھیے دنیا میں مشت خاک سے کیا کیا ہوا

قیس اور فرہاد و وامق پر جو گزرا سو سنا
مجھ پہ دیکھو اس بت بیباک سے کیا کیا ہوا

جوشش دریائے خوں ہنگامہ شور و فغاں
دیدۂ تر سینۂ صد چاک سے کیا کیا ہوا

دور ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشم پر آب
دیکھو سودا گردش افلاک سے کیا کیا ہوا

خاک ہے یہ عاشقوں کی اے کلال
چاک پر اپنے نہ تو یہ گِل پھرا

بیٹھ رہ سودا تسلی دل کو دے
در بدر منت سے کیا حاصل پھرا

زخم کا دل کے تر و تازہ ہے انگور سدا — جاری رہتا ہے مری چشم کا ناسور سدا
گو نہ دے شیشہ گردوں مئی گلرنگ مجھے — خون دل سے تو مرا جام ہے معمور سدا
ایک شب آ کوئی دلسوز نہ رودیا اسیر — شمع تک گور ہماری سے جلی دور سدا

صبا سے ہر سحر مجکو لہو کی باس آتی ہے — چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

جو گزری مجھ پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا — بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر — مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
کہے ہے سن کے مری سرگزشت وہ بے رحم — یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا
یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو — نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا
ابتلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا — تجھ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا
خون دل چشم سے بہتا تھا مری دامن تک — موج زن تا بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

دل اپنا چاہتا ہے وہ جنون از غیب ہو پیدا — سرشکل صبح اے ناصح ز تار جیب ہو پیدا
غنیمت جانتے ہیں ہم تو ایام شباب اُسکا — وہ اسکی قدر تب سمجھے کا جسدم شیب ہو پیدا

تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا — لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا
تصویر مری تجھ بن مانی نے جو کھینچی تھی — انداز سمجھ اس کا بہزاد بہت رویا
نالے نے ترے بلبل نم چشم نہ کی گل کی — فریاد مری سن کر صیاد بہت رویا

سودا سے یہ پوچھا میں دل میں بھی کسی کو دوں
وہ کر کے بیاں اپنی رو داد بہت رویا

چمن میں صبح جب اُس جنگجو کا نام لیا — صبا نے تیغ کا آبِ رواں سے کام لیا
گمانِ بندگیٔ عشق سے ہے خداوندی — کہ ایک زن نے مہِ مصر سا غلام لیا
بسانِ طائرِ رنگِ حنا قدم لے کر — ہر ایک کبک نے پیارے ترا خرام لیا
سرشکِ چشم نہ تھا میں کہ اے فلک تو نے — نظر سے خلق کے گرتے نہ مجھ کو تھام لیا

معاشِ اہلِ چمن چاہئے رشک ہے سودا
کہ زندگی کا انھوں نے مزا تمام لیا

ادھر شروع ہوا صبح نغمۂ بلبل — اُدھر بہار سے ہر ایک گل نے جام لیا

تاثیرِ عشق نے مزۂ درد کھو دیا — اُن نے نزار دیکھ مرا حال رو دیا
بوسہ کے ذائقہ کو نہیں شہد و سم میں فرق — ہم پی گئے اسے ہمیں قسمت نے جو دیا

جتنے ہیں خوب رو یاں سب دلستاں ہیں لیکن
اللہ نے تجھی کو اک جانستاں بنایا

دیر و حرم کو دیکھا اللہ ری فضولی
یہ کیا ضرور تھا جب دل کا مکاں بنایا

تو مت پکار اس کو اے باغباں کہ ہم نے
نزدیک آتش گل آپ آشیاں بنایا

اکثر نشاں بنے ہیں عالم میں نام خاطر
تو نے سخن کو سودا اپنا نشاں بنایا

صدمہ ہر چند ترے جور سے جاں پر آیا
تس پہ شکوہ نہ کبھی میری زباں پر آیا

چشم انجم پہ نہیں ابر سے وہ روز سیاہ
جو مرے دیدۂ خونناب چکاں پر آیا

اے زمزمہ پرداز چمن نالہ بہ سارا
وہ مرغ نہ سمجھے جو تہ دام نہ آیا

گو شکل کماں خانۂ گردوں ہے منقش
پر اس میں نظر گوشۂ آرام نہ آیا

آراستہ جو بزم ہوئی دور فلک میں
واں جام بجز گردش ایام نہ آیا

ہر رنگ تماشائے جہاں صورت خورشید
جو صبح کو دیکھا وہ نظر شام نہ آیا

تیشہ سے بھی تھا کام بڑا ناخن غم کا　　فرہاد تجھے دے وہ سر انجام نہ آیا

اسکا تو گلہ کیا ہے کہ بستان جہاں میں　　مجھ تک قدح بادۂ گلفام نہ آیا

یوں منہ نہ دھوائے صبح کہ آگے مرے سودا
جوں لالہ پر از خوں جگر جام نہ آیا

جلوے سے ترے ہم نے صنم بزم جہاں میں　　گر شمع نہ ہوئے تو شب تار ہے پایا

رونے نے کیا حال دل اس شوخ پہ روشن
سودا نے دیا عشق کا پانی میں جلایا

خون کے ہر قطرے سے کہتا تھا یہی لخت جگر　　تو مژہ تک بھی نہ پہنچے کہ میں یہ آیا

آنکھوں سے اشک جتنا آتا تھا شب نہ آیا　　زخم جگر سے یارو پانی مگر چور آیا

ہے داد خواہ بلبل اس جنگجو پہ یارو　　تیغ نگہ سے جس کے لوہو میں گل نہایا

رو، رو کے حال دل کا روشن کیا ہی ہیر　　آنکھوں نے آہ میرا پانی سے گھر جلایا

سوزن و رشتہ کی بدنامی تو لی پر کیا حصول　　کب کسی عاشق کے زخم دل کو عیسیٰ نے سیا

قسم نہ کھائے ملنے کی غیر سے ہرگز　　کہا نہ تم نے میاں ہم کو اعتبار آیا

برنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے　　جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا

ہماری خاک پہ گو چشم تر کسی نے نہ کی　　ہمیشہ گریہ کناں ابر زار زار آیا

گئے جہاں سے کیا کیا ستیزہ جو تہ خاک　　کہ گل جب آیا تو مجروح بے شمار آیا

ممانعت نے کیا تیرے شہرۂ آفاق
وگرنہ میں ترے کوچہ سے لاکھ بار آیا

سینہ ہی میں دعا کو لایا جو شب لبوں تک　　کہنے لگی اجابت کیہ ہر خیال آیا

ملنے کا ایک دم بھی یاں ضعف دل ہے مانع　　اُٹھتا کہ اُٹھ گیا وہ تب جی بحال آیا

کونین تک ملی تھی جب دل کی مجھ کو قیمت　　قسمت کہ اک نگہ میں اسکو ڈال آیا

بخشش پہ دو جہاں کی آئی تھی ہمت دہر　　لیکن نہ یاں زباں تک حرف سوال آیا

نازاں نہ ہو تو اسیر گر تجھ کو سنگ میں ہے　　گوہر نکالنے کا کسب کمال آیا

دیر خراب میں کل اک مست کی زباں پہ　　یہ شعر اس جگہ کیا حسب حال آیا

اعمال دیکھ تیرے مئے شرم سے عرق ہے　　اے محتسب تجھے بھی کچھ انفعال آیا

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشت خاک سودا
خاطر پہ جب کسی کے اس سے ملال آیا

باہر نکلوں نہ بزم سے لے رشک باغ پا — جوں شمع سر کے گل سے کروں تا نہ داغ پا
جو غنچہ رک رہا ہے دل اس باغ میں کہ یاں — جز آب جو کیا نہ کسی نے فراغ پا
روشن دلوں کا حد سے نہ بڑھکر قدم پڑے — باہر رکھے نہ سایہ اسے اپنے چراغ پا

سودا ہے زلف یار میں گم گشتہ دل ترا
گھر گھر میں کیوں رکھے ہے تو ہر سراغ پا

کیا جانے کس کی خاک ہے رکھ ہوش نقش پا — یوں رکھ ہر قدم کہ تا نہ دبے دوش نقش پا
اعمال رفتگاں کے مکافات کر نظر — حیراں رہے ہے صورت خاموش نقش پا
دہشت سے ہے کہ اہل جہاں سے یہ اب مجھے — افتادگی نہ ہووے فراموش نقش پا
افتادگان تک آں سے کیا لینگے راہ زن — جز خاک کچھ نہیں ہے در آغوش نقش پا

سودا بقول حضرت بیدل بگوئے دوست
خط جبیں ماست ہم آغوش نقش پا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب — مدت آشیاں چمن کے مرے متصل بنا
جس تیرگی سے روز ہے عشاق کا سیاہ — شاید اسی سے چہرۂ خوباں پہ تل بنا
لب زندگی میں کب ملے اس لب سے اے کلال — ساغر ہماری خاک کو مت کر کے گل بنا

اپنا ہنر دکھائیں گے ہم تجکو شیشہ گر ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

سن سن کے عرض حال مرا یار نے کہا

سودا نہ باتیں بیٹھ کے یاں متصل بنا

قطعہ

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں تو بھی ٹک اسکو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر نے سخن نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزر لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اسمیں بھی پائی تو بہر شغل پڑھنا یہ شعر گر کبھو اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روز ہجر کو

پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

حباب آسا کیا ہے کار استغنا تمام اپنا رکھا بحر عدم میں توڑ کے سی آپ ہی جام اپنا

اگر سمجھو تو خاکستر صبا کے ہاتھ بھیجو ہیں نہیں گویا زبان شعلہ و دل کی پیام اپنا

ہوئی تبدیل ہیئت یاں تلک غم سے جدائی کی کہ میرا نام مانی نے مری تصویر پر لکھا

چھوٹا جو زلف سے تو پھنسا دام خط کی بیچ — یہ مرغ دل ہمیشہ گرفتار ہی رہا
سوکھا نہ ایک پل مرا دامان و آستیں — تجھ عشق میں یہ دیدۂ خونبار ہی رہا
دیکھا ہے تجکو در پہ ترے جن نے ایکبار — پھر جب تلک جیا پس دیوار ہی رہا

مجلس سی جب ہو مست وہ رشک بتاں اٹھا — محشر کا اہل بزم سے شور و فغاں اٹھا
میں جس کے پاس بیٹھا لگا کہنے حال دل — اپنی ہی دل کی غم کی وہ لے داستاں اٹھا

بے جرم و گناہ قتل عاشق — مذہب میں ترے ثواب دیکھا
دل تو نے عبث لکھا تھا نامہ — جو اُس نے دیا جواب دیکھا

ساقی چمن میں چھوڑ کے مجکو کدھر چلا — پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا
گل مت سمجھیو باغ میں اے عندلیب زار — غنچے کا دل دہن پہ کسی کے بکھر چلا
اس بحر میں ہے موج کی حافظ شکستگی — فیصل ہوا حباب کہ جسدم اُبھر چلا
غافل ہے اس مریض تو ظالم کہ جس کی پاس — آیا کوئی تو پونچھتا اشک اپنی گھر چلا

اعمال سے میں اپنے بہت بےخبر چلا
آیا تھا آہ کس لئے اور کیا میں کر چلا

ہے فکر وصل صبح تو اندوہ ہجر شام
اس روز و شب کے دھندے میں میں اب تو مر چلا

چلنے کا مجکو گھر سے ترے کچھ نہیں ہے غم
اوروں سے گو میں ایک قدم پیشتر چلا

کیا اس چمن میں آنکے لے جائیگا کوئی
دامن کو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا

سودا غزل چمن میں تو ایسی ہی کہکے لا
گل پھاڑیں سُن کے کودیں بلبلاں صلا

موج آتش ہے سیل آنکھوں کی
شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا

چمن دل میں عشق بویا تھا
داغ و شعلہ ہوا گل و بوٹا

گرد ہستی نے دل کو دی ہے شکست
آئینہ اس غبار سے ٹوٹا

تلاش خضر بہر منزل مقصد نہ کر سودا
کوئی خود رفتگی سے راہبر بہتر نہیں ہوتا

تیرا دل مجھ سے نہیں ملتا مرا جی رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

جب بادہ خونِ دل ہو تو سیرِ چمن کجا
ساقی وہ تو بہار و شرابِ کہن کجا

تیرے لئے وطن سے جو نکلا تو پھر اُسے
مانندِ طفلِ اشک کے عزمِ وطن کجا

صد حرفِ آرزو ہے زباں پر مری ولے
چاہوں میں تجھ سے ایک کہوں میں دہن کجا

غرقابِ چاہِ عشق جو ہوتا تو جانتا
یوسف کہاں مصیبتِ چاہِ ذقن کجا

نہ دانہ ساتھ لے صیاد تیں لے دام لیتا جا
چمن میں ہم صفیروں کو مرا پیغام لیتا جا

اگر دل بیقراری کی خلش سے چھوڑ بیٹھے ہیں
سحر لے جا نہیں سکتا تو اس کو شام لیتا جا

قاتل کا ہاتھ ہرگز ہتھیار تک نہ پہنچا
کارِ شہادت اپنا تلوار تک نہ پہنچا

افسوس کامِ غم کا اظہار تک نہ پہنچا
یہ لختِ دل بھی چشمِ خونبار تک نہ پہنچا

اس مرغِ ناتواں کی صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے گلزار تک نہ پہنچا

جوں غنچہ اس چمن میں تیرے نصیب دل کا
یا رازِ خموشی اے دل اظہار تک نہ پہنچا

حالِ دل ستم کشے جب تک وہ خبردار نہ تھا
جز دمِ سرد کوئی محرمِ اسرار نہ تھا

جو کچل جاتے کچھ سر سے تو کلہ شیشے کا
وائے بیچارگی کہ کوئی سزاوار نہ تھا

شب تری بزم میں سودا کو میں دیکھا جب تک
کچھ خموشی کے سوا، اس کو سروکار نہ تھا

کدھر کو چھوڑ گئے مجکو ہمرہاں تنہا — پھروں ہوں دشت میں جوں گردِ کارواں تنہا
خبر لے حال سے مجنوں کے صاحبِ محمل — کرے ہے آج جرس نالہ و فغاں تنہا

جگہ تھی دل کو مرے، دل میں اک زمانہ تھا — مرے بھی شیشے کو اس سنگ میں ٹھکانا تھا
خرید عشق نے جس روز کی متاعِ چمن — جو نقد جان پڑی قیمت تو دل بہا نہ تھا
جو ذکر بعد مرے ہوگا، جاں نثاروں کا — کروگے یاد کبھی کو وہ اک دیوانہ تھا
بجرم نیم نگہ تھا نہ قتل سودا فرض
اجل کے واسطے اس کے یہ اک بہانا تھا

عشق کی خلقت سے آگے میں ترا دیوانہ تھا — سنگ میں آتش تھی جب تو شمع میں پروانہ تھا
جزو کل میں فرق اتنا ہی فقط ہے اعتقاد — ورنہ جس خرمن کو دیکھا بالحقیقت دانہ تھا
الحذر اہل آبادی سے دل آیا ہے تنگ — اے خوشا وقتی کہ تنہا ہم تھے اور ویرانہ تھا
اس چمن میں جب تلک ہم نشۂ مستی میں تھے — عمر کا اپنی پر از خونِ جگر پیمانہ تھا
اک برہمن زادہ کل کہتا تھا یوں دل کی کتھا — ہم میں اور سودا میں یارو کس قدر یارانہ تھا

اس میکدے میں سودا ہم تو کبھی نہ بہکے
سب مست بےخبر تھے ہشیار تھا سو میں تھا

اشک خونیں سی ترے ہجر میں داماں میرا
ہو گیا تختۂ گلزار، سنا یا نہ سنا

کمان ناز و ادا، اب کہ شوخ تیرے ہاتھ
ہوا ہے صید کو مشکل سوئے حرم جینا
تلاش زیست میں اتنا نہ مر کہ ہستی کی
خبر جنھوں کو سمجھیں ہیں وہ عدم جینا

کب کسی دل سوختہ سے ساز کرتی ہے حنا
اندنوں ہاتھوں پہ تیری ناز کرتی ہے حنا

بہا میرے شعور چاہیئے تزئین کے لئے
تھا مستحق خون مرا یا بھلا حنا
گر قتل کر کے خون چھپاوے ہے تو مرا
دو چار دن نہ ہاتھ کو اپنے لگا حنا

یاں پھر اس شرم سے عیسیٰ کی گزرا نہ کیا
چشم خوباں کے جو بیمار کا چارا نہ کیا
مجھ گدا نے بھی کسی شاہ سے ڈالا نہ سوال
گو مجھے بخت نے اسکندر و دارا نہ کیا
دہر بانٹے تھا متاع دو جہاں لے سودا
بے نوائی نے مری اس کو اشارہ نہ کیا

نالہ سے میرے گل تو ہوا چاک پیرہن　　　　بلبل ترا جگر نہ یہ سنکر تڑپ گیا

سودا چوراچکا ہی تھا گلشن سے کل تو گل
قسمت کو اپنی کیا کہوں پتہ کھڑک گیا

آہ و فغاں کی آج جو آتی نہیں صدا　　　　شاید ترا جہاں سے بیمار اٹھ گیا
بدنام تو عبث مجھے کرتا ہے ناصحا　　　　مدت ہوئی بتوں سے سروکار اٹھ گیا
غیروں کو دیکھ بزم میں بیٹھے ہوئے تری　　　　جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اٹھ گیا

ہوں تو چراغ راہ ہنر زیر آسماں　　　　لیکن خموش ہو کے سر شام رہ گیا

چمن میں آنے سن کر تجھ کو باد سحر یہ گھبرائی
ساغر جب تک لادیں ہیں لادیں توڑ سبو کو جام کیا

پوج مجھے اس دہر کہن میں کیا پوجے ہے پتھر کو
مجھ وحشی کو سنا برہمن، بتوں نے اپنا رام کیا

تھا جوانی فکر و تردد بعد از پیری پایا چین
رات تو کاٹی دکھ سکھ ہی میں صبح ہوئی آرام کیا

خاص کروں گر میں ہی نظارہ تو تو دید کی لذت ہے
کور بھلیں یہ آنکھیں اس دن جس دن جلوہ عام کیا

مہر و وفا و شرم و مروت سبھی کچھ اس میں سمجھے تھے
کیا کیا دل دیتے وقت اسکو ہم نے خیال خام کیا

لذت دی نا اسیری نے صیاد کی بے پروائی سے
تڑپ تڑپ کر مفت دیا جی ٹکڑے ٹکڑے دام کیا

شمع رخوں سے روشن ہو گھر ایسے اپنے کہاں تھے نصیب
صبح ازل سے قسمت نے خاموش چراغ شام کیا

ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھی بھلا میخانہ کو
کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

یاد رکھے ہے سودا کے ملنے سے ہم کو کیا حاصل
شعر جو ان نے خوب کہے آفاق میں اپنا نام کیا

قابو میں ہوں میں تیرے گو اب جیا تو پھر کیا — خنجر تلے کسی نے ٹک دم لیا تو پھر کیا
کر قطع ہاتھ پہلے پھر فکر کر رفو کا — ناصح جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا
سودا ہوسے جب عاشق کیا پاس آبرو کا — سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

دل میں تیرے جو کوئی گھر کر گیا
سخت مہم تھی کہ وہ سر کر گیا

قاصد اشک آ کے خبر کر گیا
قتل کوئی دل کا نگر کر گیا

کیونکر کوئی کھائے ترا اب فریب
حال مرا سب کو خبر کر گیا

میں نے یہ سودا سے کہا ایک دن
غم ترا کیا سینہ میں گھر کر گیا

سن کے کہا جو کوئی آیا سو یاں
سیر باندازِ دگر کر گیا

بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا

بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دعا
دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا

خوش ہیں شکستہ بالی سے اپنی ہم اسقدر
پرواز کا تو دل سے غلش دور ہو گیا

شب آ گیا جو بزم میں پیارے تو یک بیک
چہرے سے رنگ شمع کے کافور ہو گیا

سودا کو کہتے ہیں کہ ہے اس میں مصاحبت
کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا

کام آئی کوہکن کی مشقت نہ عشق میں
پتھر سے جوئے شیر کے لانے نے کیا کیا

سودا ہے بے طرح کا نشہ جام عشق میں
دیکھا کہ اسکو منہ کے لگانے نے کیا کیا

ردیف (ب)

کی سیر ملک ملک کی سودا نے بھی ولے
اے شیخ میکدے کی ہے آب و ہوا عجیب

گرچہ ہوں زیر فلک نالۂ شبگیر نصیب
پر اسے کیا کروں یار نہیں تاثیر نصیب

جب نہ تب اسکو پڑا زلف گرہ گیر سے کام
کس قدر یہ دل دیوانہ ہے زنجیر نصیب

ٹوٹے دل کو نہ بناتے میں کسی کو دیکھا
ظاہرا دہر میں یہ گھر نہیں تعمیر نصیب

کیمیا خاک در شاہ نجف ہے سودا
حق تعالیٰ کرے اس طرح کی اکسیر نصیب

نالہ سینہ سے کرے عزم سفر آخر شب
راہرو باندھے ہے چلنے کو کمر آخر شب

سانس ٹھنڈی ہی کسی مایوس کی ہے ورنہ نسیم
کر سکے ہے ترے کوچے سے سفر آخر شب

اس قدر شیفتہ ہے شکل کا اپنی کہ سدا
آئینہ ہاتھ میں مشرق کو نظر آخر شب

روکوں نالے کو وہ لب پر تو کروں کیا اے دل
شام تاثیر نہ اس میں نہ اثر آخر شب

انتہا عیش جہاں کی جو تو دیکھا چاہے
بزم مستاں پہ نگہ غور سے کر آخر شب

کیا کیا کہوں جو مجھ سے ترے عشق نے لیا   صبر و حیا و دین و دل و عار و ننگ و خواب
اس نے چمن میں آن کے آنکھیں لڑائیاں   نرگس کا اڑ گیا ہے مری طرح رنگ و خواب

سکھ نیند چاہتا ہوں کہ سوؤں میں زیرِ چرخ
سودا یہ کچھ شعور ہے کام و نہنگ و خواب

ہمیشہ ہے مری چشم پُر آب در تہِ آب   سوائے اسکے نہ دیکھا حباب در تہِ آب
تو اپنا روئے عرقناک آئینہ میں دیکھ   کہ گل ہمیشہ ہے بیارے گلاب در تہِ آب
گئی ہے سر سے گزر موجِ اشک آنکھوں کی   مجھے بہا لے گئی خانہ خراب در تہِ آب
گرہ جو تو لبِ دریا پہ زلف سے کھولے   رواں ہو موج ز شرم و حجاب در تہِ آب

ردیف التاء

نہ کر وہ کام دل دیندار و کافر سے   کہ پہنچے تا بہ درِ کعبہ و کنشت شکست
جو پوچھا حال یہ کچھ آج سے نہیں عشاق   ازل سے رکھتے ہیں اپنی یہ سرنوشت شکست

کیا دیا اُن نے کسی کو آسماں ہے جس کا نام   اس دنی کے سامنے پھیلا نہ اے بے ننگ دست
گر خدا توفیق دے، کچھ دے نہ لطف سائل ہے تو   کب کیا ہے خلق تیرا حق نے بہرِ جنگ دست

سن رکھ کہ تیری بازوئے ہمت سے ای فلک ہے فقر کا مری کہیں پہ زور پشت دست

دین و کفر آنکھوں نے تیری کر دیا آ یار مست صاحب تسبیح مست و صاحب زنار مست
سچ تو کہہ کس میکدے سے ہیں آج سودا پی ہے مے
دیکھ کر مستی کو تیری ہو گئے ہشیار مست
ہے باعث جمعیت دل ایک جہاں کی اے شوخ پریشانی کاکل کی اشارت
عشاق کو تجھ چشم کے حاجت نہیں مے کی
بیہوش کرے سودا کو قلقل کی اشارت
دیکھئے آج کہ کس طرح سے گزرے ہم پہ دن ہی محشر کے تو کل دست و گریباں تھی رات

کیا جانئے کیس گل و بلبل کا راز ہے غنچہ کی رک رہی ہے دہن پہ جو آئی بات
فرماؤ گے جو تم تو اٹھاؤں گا میں پہاڑ پر غیر کی نہ جائیگی مجھ سے اٹھائی بات
پروانہ اور شمع کی صحبت نہ مجھ سے پوچھ اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست پوجوں میں اس کسو جو ہو آشنا پرست

سودا سے شخص کے تئیں آزردہ کیجئے
اے خود پرست حیف نہیں تو وفا پرست

زلیخا سے کہو ٹک دیدۂ تحقیق تو کھولے
یہ از یوسف نظر آئیگی ہر انسان میں صورت

دیکھے بلبل جو یار کی صورت
پھر نہ دیکھے بہار کی صورت

دل ترستا ہے دیکھنے کو مرا
خنجر آب دار کی صورت

جو کوئی دیکھتا ہے روتا ہے
مجھ دل داغدار کی صورت

آتش سے ہے تری گرمی بازار محبت
کیا لے گا بجز داغ خریدار محبت

کیوں مجکو نہ مارا غم دوری نے تیرے آہ
کس منہ سے کروں گا میں پھر اظہار محبت

کرتے ہیں اسیر قفس و دام بھی فریاد
لے سکتے نہیں سانس گرفتار محبت

ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم
گردن زدنی ہے سو گنہگار محبت

ٹک سادہ دلی پہ تو مرے رحم کر اے یار
ہوں تجھ سے ستمگر سے طلبگار محبت

ردیف الثاء

زاہد نہیں ہے اپنی تجھے پاس آبرو ……… رندوں سے ز کرے ہے جو وقت خمار بحث
واعظ کسے دماغ ہے تکذیب کا تری ……… تو بھی کہے ہے سچ ، نہیں اپنا شعار بحث
سودا خموش ہرزہ درا اُن کے سامنے
طوطی کو زاغ سے ہے بہت ناگوار بحث

ردیف جیم (فارسی)

دل گھر سے دلربا کے تو باہر قدم نہ رکھ ……… صید حرم کی زیست ہے رہنا حرم کے بیچ
گرمی لگی ہے تجکو تو اے یار آکے بیٹھ ……… خسخانہ کی ہوا ہے مری چشم نم کے بیچ

جس نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی بہار ……… آکر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ

شیشے کو بھی توڑو تو نکلتی ہے اک آواز ……… عاشق ہی کا وہ دل ہے کہ ٹوٹے تو صدا ہیچ
اسباب جہاں دل سے کیا جب نظر انداز ……… پوچھا جو میں کیا دیکھے ہے دل بولے کہا ہیچ

ناصح تو نہیں چاشنی درد سے آگاہ — بے عشق بتاں جینے کی لذت بخدا ہیچ
کیا قافلۂ عمر سبک رو ہے کہ جس میں — چاہے جو سنے سامعہ آواز درا ہیچ
ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی — دیکھا جو انھیں جا کے تو عمامہ سوا ہیچ

ردیف (ح)

تجھ بن بہت ہی کٹتی ہے اوقات بے طرح — جوں توں کے دن تو گزرے ہے پر رات بیطرح
ہوتی ہے ایک طرح سے ہر کام کی جزا — اعمال عشق کے ہیں مکافات بیطرح
بلبل کر اس چمن میں سمجھ کر ٹک آشیاں — صیاد لگ رہا ہے تری تاک بیطرح

شمع میں ہر چند ہے سر سے گزر جانیکی طرح — کھپ گئی لیکن ہمارے دل میں پروانے کی طرح
یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا کا ہے پیام — کچھ بھی اے خانہ خراب بن دل کی سمجھانیکی طرح
بلبلوں کو دوں ہوں دیوان فغانی کا میں درس — ورنہ گلشن میں ہے میری کونسی جانیکی طرح
تجھ بن آنکھوں سے مرے مردم ہوئے صحرا نشیں — سیل سے مجھ اشک کے ہر گھر ہے ویرانیکی طرح

جائے گل توڑے ہے گلچیں باغ میں اب جو بے گل
کچھ نظر آتی ہے اے سودا بہار آنے کی طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہر ایک کا منہ　　طلب رحم کی نظروں سے گنہگار کی طرح

ڈالی بازار جو سودا نے متاع دل کو
لٹ گئی دیکھتے ہی جنس خریدار کی طرح

لطف نشاط بادہ حسن ظہور صبح　　ملکر ہوا ہے خلق دو جان سرور صبح
لہرائی ہے نسیم سحر کیا ہی ساقیا　　گویا ہے موج بادۂ جام بلور صبح

ردیف (خ)

ضرور ہے ادب خفتگان خاک اے یار　　قدم زمیں پہ نہ رکھ زیر آسماں گستاخ
سمجھ کے تک کوئی میخانے سے گزر زاہد　　کہ رند ہوتے ہیں اکثر بزاہداں گستاخ
نجائیو کبھو اے شیخ بزم خوباں میں　　کہ تو وقار طلب اُن کی ہے زباں گستاخ

ردیف دال

اشک کو کب ہے شناسائے گہر سے پیوند　　صاحب درد کی رکھتا ہے نظر سے پیوند
ہوں میں شرمندہ و نادم کہ گریباں کو مرے　　شام آئی ہے اسے کرنے سحر سے پیوند
کھینچتا کیوں ہے عبث ناز طبیب آسودا　　درد کو دل کے نہیں درد جگر سے پیوند

لے آئے در پہ ترے جو ستم کشاں فریاد — ہوئی کسی کی نہ ان میں سے رائیگاں فریاد
میں دیکھتا ہوں جسے ہے وہ آپ ہی نالاں — تمھاری کیجئے کس پاس لے بتاں فریاد

ہوا ہے داغ مرا دل انار کے مانند — جھڑے ہے آنکھ سے آنسو شرار کے مانند
نہیں ہے سیر کا کچھ لطف باغ میں تنہا — بغیر یار، رگ گل ہے خار کے مانند
ہوئی ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے — جھٹک نہ دیجیو پیارے غبار کے مانند

لذت بے رنج ملتی ہے زمانے سے بعید — نوش دیتی نہیں یہ زنبور خانے سے بعید
میں تو جاؤں دوستی تیرے پہ کہیں گو نیک بد — بیوفائی اس سے کرنی تھی فلانے سے بعید
یا علی پہنچا ہے سودا در پہ تیرے آپ سے
پھیرنا محروم ہے اس آستانے سے بعید

ردیف ے

شوکت نے یہیں حسن کی کہنے نہ دیا کچھ — بات آن کے سو بار بلب ہو گئی آخر

سمندر کر دیا نام اسکا ناحق سب نے کہہ کہہ کر — ہوئے تھے جمع کچھ آنسو مری آنکھوں سے بہہ بہہ کر
کسو طاقت ہے شرح شوق اس مجلس میں آ کر کی — اٹھا دینے کے ڈر سے سانس ڈال لیتے ہیں رہ رہ کر

مرقد پہ مرے موج نسیم آئے تو یہ جان — دیوانہ تہِ خاک ہے زنجیر ہوا پر
گر خانۂ گردوں پہ نظر چشم فنا سے — ہے مثل حباب اسکی بھی تعمیر ہوا پر

تارے یہ نہ سمجھو کہ شب تار فلک پر — پہونچی ہے مری آہ شرر بار فلک پر
اس دل کی میں رتبہ کو اسیری میں کہاں کیا — پرواز میں ہے مرغ گرفتار فلک پر
مداح علی کا ہوں میں سودا شعرا میں
پڑھتے ہیں ملائک مرے اشعار فلک پر
مذکور ترا شب جو کسی بات پہ نکلا — کیا تنگ ہوا عرصۂ آرام جہاں پر

دام سے زمزمہ سازان چمن کو کیا کام — لائی آفت مری آواز ہی اپنے سر پہ
میں اسیری پہ ہوں ترسے کہ ہے میں کیا خاک بسر — تب تو سکتی ہیں جو آلاش جلائے اپنے سر پہ
دام الفت کے اسیروں کی جدا ہے پرواز — کہیں اڑتے ہیں کٹے بال کہیں اپنے سر پہ

خدا کے واسطے سودا نہ لے تو نام اس کا   غضب کرے ہے تری گفتگو مرے دل پر

برابر ہو سکے کب عشق میں پروانے سے بلبل   کہ شمع و گل ہے اسکے مرگ کا اسباب آتش پر

ناصحا اس عشق میں ہوتا ہے لذت یاب دل   جس میں حرمت کم ہے رسوائی و خواری بیشتر
یارو کیوں ہوتے ہو مستفسر مرے احوال کے   غم کو کرتی ہے تمہاری غم گساری بیشتر
کشت تخم غم کے اس کے جتنا توڑ دل
نفع یاں رکھتی ہے سودا آبیاری بیشتر
دل عشاق ہے پہلو میں جواہر خانہ   اشک خونیں ہے مرا لعل و گہر سے بہتر
جسے ہے جوہر اسے جانیں ہیں ترا بد گوہر   عیب کو سمجھیں ہیں اس وقت ہنر سے بہتر
مورد سنگ ہے وہ نخل جو ہو بار آور   پائی ہے بے ثمری ہم نے ثمر سے بہتر
فائدہ باغ کے جلنے سے و در آسینے میں   سیر لالہ کی نہیں داغ جگر سے بہتر
آشیاں سے نہ اڑے پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پری سمجھے ہیں پر سے بہتر
پیویں ہیں خون دل اپنا تجھے گمان ساغر   کدھر ہے شیشہ مرے پاس ہے کہاں ساغر

شراب سرخ سے لبریز گو ہے یاں ساغر　　جو تو نہیں ہے تو ہے چشم خونچکاں سا

طاقت اک آن تحمل کی نہیں یاں اور دوست　　صبر فرمائیے ہے مقدور بشر سے با

راز دیر و حرم افشا نہ کریں ہم ہرگز　　ورنہ واں کیا ہے جو ہو اپنی نظر سے با

ضعف سے نالہ بھی اب دل سے نہیں آ سکتا　　درد اٹھتا ہے بہت خون جگر سے با

جنس ناکارہ کے خواہاں ہیں خریدیں مجھکو

یہ وہ سودا ہے کہ ہے نفع و ضرر سے باہر

کام آیا نہ کچھ اپنا تن زار آخر کار　　سمجھے اکسیر تھے نکلا یہ غبار آخر کا

عشق ذرہ بھی اگر ہو تو اسے کم مت جان　　ہو کے شعلہ ہی بجھے گا یہ شرار آخر کا

ناصح اس جیب کے آیا تھا رفو کرنے کو　　گم گیا ہاتھ سے سر رشتہ کار آخر کا

سوزش داغ دل اپنے کی وفا اے سودا

کیا کہوں میں کہ ہوئی شمع مزار آخر کار

جام گل تیرے سے اب بلبل کو مستی ہے بہار　　ہمکو آنکھوں سے یہ ذوق مے پرستی ہے بہا

خندۂ گل نے کیا ہے بلبلوں کا قتل عام　　پھر اب گلشن میں کیا منہ لیکے ہنستی ہے بہار

کر کے گلگشت چمن کا ہے دماغ اے باغباں　　کھینچکر میرا گریباں یاں لے آتی ہے بہار

ہو رشک ہمنوایوں کا ابلتا ہے یہ دل — رخصت یک نالہ اے صیاد جاتی ہے بہار
اب خدا حافظ ہے سودا کا مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ہی دیوانہ تس پہ آتی ہے بہار

جلوہ گر شتاب تو اے نور بزم عشق — آنسو گلوئے شمع کے ہیں ہار تجھ بغیر
تا رسے شیخ ہی نے اٹھایا نہیں ہے ہاتھ — اب برہمن بھی توڑتے ہے زنار تجھ بغیر

غیروں سے نہ کر تو گرم جوشی — میرے دم سرد سے حذر کر

...ت تری داد کو پہنچے ہے فلک سے بلبل — زخم گل کو جو رکھے بخیۂ مرہم سے دور
...ن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم — خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور
...لب درد سے ہوتی ہو جو مجکو سیری — زخم یارب نہ رہے سینہ کا مرہم سے دور

...ے شمع کچھ خبر ہے تجھے اس پتنگ کی — جو بال و پر جلا کے پڑا ہے وطن سے دور
ہو سکے جو کبھی وہ تو ہم نہ کہیں آرزوئے دل
وہ بات کیوں کہیں جو ہو اپنے دہن سے دور

ایک میں ہی کچھ تری خاطر نہیں پھرتا خراب　　　روز و شب ہمراہ میری ہیں مرے غمخوار خوار
مجھ مریض عشق کی دارو نہیں کچھ غیر وصل　　　اے طبیب اپنی دوا سے تو نہ یہ بیمار مار
آج کون آیا تھا گلشن میں خدا جانے کہ ہے　　　باغباں کا دل نزار و بلبل گلزار زار

تنہا نہ شمع روئے ہے سودا کی خاک پہ　　　گل بھی تو لوٹتا ہے گریباں کو پھاڑ پھاڑ

کرتا ہوں ترک عشق میں اپنا پیش و پس ہنوز　　　ناصح ذرا نہیں ہے مرا دل پہ بس ہنوز
فریاد عندلیب کو پہونچا چمن میں گل　　　آیا نہ میرے پاس مرا دادرس ہنوز

شبنم کرے ہے دامن گل شست و شو ہنوز　　　بلبل کے خون کا نہ گیا رنگ و بو ہنوز
غنچوں سے رنگ و بو کی تمنا نکل چکی　　　تڑپے ہے خون میں دل کے مری آرزو ہنوز
یاں تک ابھی ہے گرم کہ ہو جائے تو سموم　　　خاکستر اے نسیم ہماری نہ چھو ہنوز

سودا کا حال تو نے نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

انکار قتل سے تو کرے ہے سخن ہنوز　　　میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کلیوں نے دیکھ شوخی گلچیں کو اسقدر
اتنا لہو پیا کہ ہے پر خون دہن ہنوز

اتنا جلا ہے آتش گل سے دل ہزار
دیتی ہے بوئے دود نسیم چمن ہنوز

صدقے ترے نہ کیجیو گلشن میں پھر گزر
اس دن سے چاک کرتے ہیں گل پیرہن ہنوز

سودا یہ کیا ہوا نہیں صحرا میں آج قیس
تھا ہی دلوں پہ داغ دل کوہکن ہنوز

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جابجا سوت ہیں پانی کے تہ خاک ہنوز

گل زمیں سے جو نکلتا ہے برنگ شعلہ
کون جان سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

آپ نالاں ہو تو دیوے مری فریاد کی داد
سو تو وہ گل ہی نہیں بلبل گلزار ہنوز

یار کے حسن سے ہیں بے خبر اغیار ہنوز
نہیں اس شعلے سے آگہ یہ خس و خار ہنوز

بال و پر ہو لے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
تب سے ہم کنج قفس میں ہیں گرفتار ہنوز

ہوں گے پامال نہ کیونکر ہمارے صیاد
عشق پرواز نہیں تا سر دیوار ہنوز

تب سے پامال ہے دل کا ورق صبر و قرار
سبق ناز نہ لیتی تھی وہ رفتار ہنوز

شیخ اتنا تو جتاؤ نہ تم اپنا تقوی
عوض مے ہے گرو جبہ و دستار ہنوز

روتے گئے گلی سے تری بسکہ اہل دل — ہے اُنکی چشم فیض سے ہر خار وگاہ سبز
مزرع کو میرے خشک سحاب کرم نہ دیکھ — پل مارتے کرے ہے مری اک نگاہ سبز
سودا تو درد دل سے نپٹ اب ہے بیقرار
ہوتا ہے گہ سفید ترا، رنگ گاہ سبز

ردیف سین

کب ہمکو ہے بہار میں گلزار کی ہوس — نکلی کبھو نہ مرغ گرفتار کی ہوس
سودا یہ جنس دل کے تئیں دیچکے ہم آگ
رکھتے نہیں ہیں کوئی خریدار کی ہوس
نے چین روز وصل نہ شب ہجر کی قرار — کیا جانے کیا ہے اپنے دل زار کی ہوس
یوں چاہتا ہوں داغ ہیں دل میں ہزار ہا — جس طرح باغباں کو ہو گلزار کی ہوس
دیر و حرم کی پوچ چکا ہے وہ سنگ و خشت — جس کو ہے تیرے سایۂ دیوار کی ہوس
بلبل کو ہے ترے سر دیوار کی ہوس — جوں گل ہے اسکو گوشۂ دستار کی ہوس
آوے ہزار رنگ سے گلشن میں گر بہار
نکلے کبھی نہ مرغ گرفتار کی ہوس

ساقی گئی بہار، رہی دل میں یہ ہوس　　　تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

ردیف شین

یوں دیکھ مرے دیدۂ پر آب کی گردش　　　دریا میں ہو جس طرح سے گرداب کی گردش

کیا جانیے کہ اس سے کہیگا وہ کس طرح　　　مجکو پیامبر کی ہے گفتار کا خلش
اقرار تو کرے ہے وفا کا تو ہم سے شوخ　　　لیکن ہمارے دل میں ہے انکار کا خلش

دوری ہے تری اپنے دل زار کو آتش　　　دھڑکے ہی پڑا دل کہ نہ ہو مشتعل آتش

بھولے نہ کبھی دل سے مرا مصرعہ جانکاہ　　　نالہ نہ کرے مرغ گرفتار فراموش
دل سے نہ گئی آہ ہوس سیر چمن کی　　　اور ہم نے کیا رخنۂ دیوار فراموش

دل درد سے کس طرح مرا خالی ہو سودا
وہ ناشنوا حرف، میں گفتار فراموش

آشیاں کو مت اجاڑو کرکے فریاد و خروش   باغباں ظالم ابھی سویا ہے اے بلبل خموش
دیکھے وہ آنکھیں کوئی محراب ابرو کے تلے   اے مسلمانوں ہے مسجد میں دوکان مے فروش

ردیف صاد

آرام پھر کہاں ہے جو ہو دل میں جائے حرص   آسودہ زیر چرخ نہیں آشنائے حرص

اک ہم سے تجھے نہیں اخلاص   گھر بہ گھر تجھکو ہر کہیں اخلاص
مثل نقش قدم یہ رکھتی ہے   تیرے در سے مری جبیں اخلاص

ردیف ضاد

چھوڑا ہیں کفر و دیں ہے فقط یار سے غرض   تسبیح سے نہ کام نہ زنّار سے غرض
سینہ میں دل جو ہے سو تری یاد کیلئے   جز دید یار کیا ہے دیدۂ خونبار سے غرض
طوبیٰ کی تجکو چھاؤں مبارک ہو زاہدا
ہے دل کو اپنے سایۂ دیوار سے غرض

شیخ صاحب مریدوں کو ہیں زنہار فیض — بخشتے ہیں رندوں کو اک جبہ و دستار فیض

ردیف ط

آنکھیں بہ رنگ نقش قدم ہو گئیں سفید — اس سے زیادہ خاک کروں انتظار خط

تو ہو گر پاس تو ہے صبح طرب شام نشاط — دیکھنا تجھکو ہے اے جانِ دل آرام نشاط
دل جنھوں کا ہو اسیری کے مزے سے آگاہ — ہے قفس بیچ انھے عیش تہ دام نشاط

سمجھے تھے ہم جو دوست تجھے اے میاں غلط — تیرا نہیں ہے جرم ہمارا گماں غلط

دونوں سے ہم نے اثر دل میں نہ پایا اسکے — نالہ شب ہے غلط آہ سحرگاہ غلط
نہ ہوا یہ کہ مرے کلبۂ احزاں کی طرف — آ نکلے جا نکلے تو کسی گھر کی کرے راہ غلط

ردیف ظ

ہلال عید سے ہے عیش یہ نہ صدا کم کر — جو مجکو یار کی ہے تیغ آبدار سے حظ

ہزار سیر کرے شہر شہر کی سودا
اُٹھے گا دل ہی کے اپنے تجھے دیار سے حظ

ثبوت حق کی کریمی سبھوں پہ ہے لیکن   تری تو نفی کرم پر ہے گفتگو واعظ

ردیف عین

تو مرے غم سے نہ رویا، اور میری خاک پر   شام سے تا صبح اپنی چشم تر رکھتی ہے شمع
رہرو سوئے عدم کو جنبش پا کیا ہے شرط   خانۂ فانوس میں ہر شب سفر رکھتی ہے شمع
حسن کو سودا جو دعویٰ سلطنت کا اب نہیں
سر پہ اپنے کس لئے یہ تاج زر رکھتی ہے شمع
گو اب نہ مجھ غریب کی بالیں تک آئی شمع   دل بیکسی کا مجھ پہ جلے ہے بجائے شمع

زاہد جگہ نہ واں ہو تو حاضر ہے گھر مرا   میخانہ شکل کعبہ نہیں تنگ ہے وسیع
دامان سیل اشک مرا بحر میں ترے   مانند دامن جمن و گنگ سے ہے وسیع

ردیف غین

اے لالہ گو فلک نے دئے تجکو چار داغ چھاتی مری سراہ کہ "یک دل ہزار داغ"

طائر کو میں پرواز میں جب دیکھوں ہوں سودا کرتی ہے تب اپنی مجھے بے بال و پری داغ

سرمہری سی بہاں کے مٹ گیا ہے سوز داغ کر دیا ان ظالموں نے ملک دل کا بے چراغ

ردیف ف

دیکھوں ہوں یوں میں اس ستم ایجاد کی طرف جوں صید وقت ذبح کے صیاد کی طرف

پتھر کی لیک تھا سخن اسکا ہزار حیف بولی زبان تیشہ نہ فرہاد کی طرف

ردیف قاف

باتیں مجھے بھاتی ہیں با آمیزش دشنام ہوں اسلئے اُس شوخ کی گفتار کا عاشق

حسن کے بازار میں کیا ہے جز اشیائے فراق　　دے کے نقد دل نہ کر زنہار سودائے فراق
دوستان رفتہ کا اتنا فراق اے دل تجھے　　مل رہینگے ایکدن، ہرگز نہیں جائے فراق

زندگی کیوں نہ ہوئے مجھ پہ شاق　　یار سے ہے اتنا دل مشتاق

ردیف کاف

شمع اس عارض کی سنتے ہیں پہنچی نور تک　　ہم سے جو پوچھے کوئی ہے حرف شمع طور تک
کون سی عارف کو یاں دعوی خدائی کا نہیں　　یہ ترانہ ختم لیکن ہو چکا منصور تک

یہ غزل سودا کہی ہے تونے اس انداز کی
ہند سے پہونچیگی ہاتھوں ہاتھ نیشاپور تک

رہے اس فصل ہم اے بلبل وگل ناتواں یاں تک
کہ نالہ لب تلک پہونچا نہ چاک جیب داماں تک

ترے غم کا دل پرخوں سے استقبال کرنے کو
وہ قطرہ نارسا طالع سے ہے جو پہونچے نہ مژگاں تک

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک　　کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک

قسمت نے دور ایسا ہی پھینکا ہمیں کہ ہم	پھر جیتے جی پہنچ نہ سکے اپنے یار تک
ساقی سمجھ کے دیجیو جام شراب عشق	آخر کو کام پہونچیگا اس کا خمار تک

دیکھا کروں میں دور سے اے یار کب تلک	تڑپا کرے مرا یہ دل زار کب تلک
رخصت جو در تلک بھی مجھے دے نہ باغباں	جھانکا کروں میں رخنۂ دیوار کب تلک

یوسف نہ ہاتھ آئے جو سودا ہے نقد دل
بیٹھا رہے دکان پہ خریدار کب تلک

دیکھے ہی مجھکو اپنی گلی میں تو پھر سے مجھے	ویسی ہی گالیاں ہیں وہی ننگ اب تلک
عالم سے کی ہے صلح مگر ایک میرے ساتھ	جھگڑے وہی عبث کے وہی جنگ اب تلک

سودا نکل چکا ہے وہ ہنگام ناز سے
پر مجھ سے ہے ادا کا وہی رنگ اب تلک

یہ شوخ مہر و محبت سے جو ہاتھ آوے تو آوے	اس کے ہاتھ آنیکی اور بہانہ نہیں تدبیر جنگ

کس رنگ میں دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ	سب رنگ میں ہی تو ہے پر اب ہے یکی رنگ
اے شیشہ گراں دل کوئی ٹوٹا جو بنا دے	پیدا کرے پھر اور ہی کچھ شیشہ گری رنگ

کس گل میں یہ جلوہ ہے جواب گنج قفس میں
دکھلاتی ہے میری مجھے بے بال و پری رنگ

لالہ خودرو نہیں ہے خون نے فرہاد کے
جوش میں آ کر لگا دی کوہ کی دامن میں آگ

دل دھڑکتا ہے مبادا جل نجاوے یہ قفس
ورنہ اے صیاد کرتے نالہ شبگیر ایک

رونے کو میرے تا بکجا دل سے آئے اشک
نکلے ہے خون چشم سے اب تو بجائے اشک

ردیف لام

سخن عشق نہ گوش دل بیتاب میں ڈال
مت یہ آتشکدہ اس قطرۂ سیماب میں ڈال
ابھی جھپکی ہے ٹک اے شور قیامت یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل
روشن رہے ہمیشہ الٰہی چراغ دل
شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا
سینہ میں اب تو خاک نہ پایا سراغ دل

دیکھے اگر صفائے بدن کو تری صبا — کھولے کبھی نہ شرم سے بند قبائے گل
میں اور عندلیب ازل سے ہیں ہم نصیب — مجھ پہ ستم ہوا ہے تو اس پہ جفائے گل

جب تو چمن سے گھر کو چلا کرکے دید گل — بلبل نے گل کو دے کے تجھی لی رسید گل
ساقی تلاش بادہ میں مطرب بفکر ساز — بلبل ہے غرق زمزمہ شکر نوید گل

نسبت نہ عندلیب کو سودا سے دیجیو
بسمل یہ آن کا ہے تری وہ شہید گل

ردیف میم

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام — مدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام

کیا مچائی اس نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لئے کعبہ میں بتخانے میں دھوم
مٹ گئے وہ شور دل کے ہائے تب آئی بہار
ورنہ کیا کیا ہم بھی کرتے شہر و ویرانے میں دھوم

تجھ نگاہِ کرم کی حسرت سے دل مارے ہے جوش
رات کو دیکھوں ہوں ہیں جب شمع و پروانے میں دھوم

کب سے اے سوداؔ شراب اس بزم میں پیتے ہیں یار
تو نے اے کم ظرف کی پہلے ہی پیمانے میں دھوم

جانِ عقلِ کامل و شورِ سرِ دیوانگاں
رونقِ آبادگی اور وحشتِ پروانہ ہم

فیض سے مستی کے دیکھا ہم نے گھر اللہ کا
جا رہے مسجد میں شب گم کردہ کاشانہ ہم

واعظا سوزِ جہنم سے ڈراتا ہے کسے
واں لیے پھرتے ہیں بغل میں دل سا آتشخانہ ہم

دیکھیں تو کس کی چشم سے گرتے ہیں لختِ دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابرِ تر کہ ہم

قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہنچے ہے واں نامہ بر کہ ہم

خانہ پروردِ چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہولیں گل سے ٹک آزاد ہم

خندۂ گل بے نمک فریادِ بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جا کر کیا کریں گے یاد ہم

شیشہ کی طرح دل کے تئیں رو کے تا سحر
خالی کریں ہیں بیٹھ تری انجمن میں ہم

نہ کیوں جلتی رہی بلبل چمن میں دیکھ کر شبنم ———— کہ وہ داماں پاک گل جسے کرتی ہے تر شبنم
بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر ———— بتا روتی ہے کس کی ہستیٔ موہوم پر شبنم

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام ———— بے یاد دوست مجھکو ہے پینا حرام جام
سودا کہا وقت نزع کے کس کا منتظر
جنبش لبوں کی دیکھی تو کہتا تھا جام جام

ردیف نون

قیس کی آوارگی ہے دل میں سمجھو تو کہوں ———— ورنہ لیلیٰ ہے ہر اک محمل میں سمجھو تو کہوں
میکدے اور کعبہ میں کیا ہے تفاوت شیخ جی ———— شیشہ ہے پتھر کی ہر اک سل میں سمجھو تو کہوں

دامن کشاں چمن سے گزرا ہے کون بلبل ———— کرتا ہے گل گریباں صد چاک ایک پل میں

یار آزردہ ہوا بات جو مے نوشی میں ———— کیا ہوا ہم سے خدا جانے بیہوشی میں
بھولنا ہم کو نہیں شرط مروت کے ہیں ———— یاد تیری ہے دو عالم کی فراموشی میں

پوچھا کیا ہے کہ تو کون ہے اک ہم بھی ہیں ‏ — خاک راہ بت بیرحم و نثار دامن

اے بلبل تصویر ہوں جوں نقش دیوار چمن ‏ — نے قفس کے کام کا ہرگز نہ در کار چمن

کیا گلہ صیاد سے ہم کو یونہی گزری ہے عمر ‏ — اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن

نوک سے کانٹوں کی ٹپکے ہے لہو اے باغباں ‏ — کس دل آزردہ کو دامن گیر ہیں یہ خار چمن

فصل گل جاتی ہے سودا دیکھ لے نرگس کو ٹک

باغ میں مہماں کوئی دن ہے یہ بیمار چمن

سمجھ کے باندھا تھا آشیاں ہم رہیگا با آب و تاب گلشن

یہی کہ غنچہ نے آنکھ کھولی خیال گل تھا تو خواب گلشن

نگاہ بھر بھر کے تو جو دیکھے ہے لا سکے گا یہ تاب گلشن

مجھے ہے ڈر کہ یہ نہ جاوے چمن سے ہو کر شراب گلشن

آج تو دل سے گئے تنہا یہ کہو تو یار سے ‏ — اب نہ ملنے کی مکافات کروں یا نہ کروں

کیوں نہیں تسکین دل یار کروں یا نہ کروں ‏ — نالہ جا کر پس دیوار کروں یا نہ کروں

سن لے ایک بات مری تو کہ رمق ہے باقی
پھر سخن تجھ سے ستمگار کروں یا نہ کروں

خواب شیریں میں ہے اور دل ہے مرا مائل شوق
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں

کوچۂ یار کو میں رشک چمن اے سودا
جا کے با دیدۂ خونبار کروں یا نہ کروں

تجھ بن چمن ہے خس و ہر خار پریشاں
حیران ہے نرگس گل و گلزار پریشاں

سنبل سے صبا کس لئے آئی ہے قفس تو
ہے زمزمۂ مرغ گرفتار پریشاں

کیا چین دل اسکا ہو جو نالے کی ہو فرصت
کر دیجئے جمعیت کہسار پریشاں

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

یہ بخشش ہیں یا ہم کو ہے بے اختیاری
تجھے تیری کیا کر قسم دیکھتے ہیں

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

حباب لب جو ہیں اے باغباں ہم
چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جنکے آنکھیں ترستیاں ہیں

برسات کا تو موسم کب کا نکل گیا پر
مژگاں کی یہ گھٹائیں اب تک برستیاں ہیں

لخت جگر آنکھوں سی سر آن نکلتے ہیں
یہ دل سی محبت کے ارمان نکلتے ہیں

تجھ تیر نگہ کی سے کشتوں کا جہاں مدفن
سبزی کی جگہ واں سی پیکان نکلتے ہیں

سر خاک دگریباں خاک آغشتہ بخوں دامن
کیا گھر سے ترے عاشق باشان نکلتے ہیں

عشق یا پیغمبر وقت اس کو یارو کیا کہوں
دل تو ایوبی ہوا آنکھیں ہوئی یعقوبیاں

اپنی توبہ زاہدا جز حرف رندانہ نہیں
خم ہو تو یاں احتیاج جام و پیمانہ نہیں

اپنے کعبہ کی بزرگی شیخ جو چاہے سو کر
از روئے تاریخ تو بیش از صنم خانہ نہیں

بے تجلی طور کے کس سی یہ دل گرمی کرے
جل بجھے ہر شمع پہ اپنا وہ پروانہ نہیں

جن کے دامن تھی نمازی سو تری کوچے میں
اُنکے خرقوں کے گریباں پھٹے جاتے ہیں

کوسوں کا نہیں فرق وجود اور عدم میں
قصہ ہے تمام آمد و شد کا دو قدم میں

خاک شہ خوں میں صورتیں کیا کیا نہ رلیاں دیکھیاں
اے فلک باتیں تری کوئی نہ بھلیاں دیکھیاں

وہ رہا دست تاسف کے تئیں ملتا ہوا
جن نے وہ انکھیاں خمار آلودہ رسیلیاں دیکھیاں
کس کے گھر میں چھپ گیا اے شوخ تو کیا جانئے
ہم نے سارے شہر کی دن رات گلیاں دیکھیاں

آئینہ ٹک تو دیکھ کہ خالق نے خاک کو کیا کیا بنائے صورت انساں ساں ساں

پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل ورنہ یاں کون سا انداز فغاں ہے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں کچھ علاج انکا بھی ای شیشہ گراں ہے کہ نہیں

موسم گل ہے چلے کچھ یہ دل اب شاد نہیں تاب پرواز نہیں طاقت فریاد نہیں

ڈرتے ڈرتے جو ترے کوچہ میں آجاتا ہوں صید خائف کی طرح رو بقضا جاتا ہوں
ناتواں مرغ ہوں میں آہ کہ فقاسے پرواز اتنا آگے نہ بڑھو تم کہ رہا جاتا ہوں
سوچوں ہوں اپنے تئیں جوں سخن رفتہ زیاد گاہ بیگاہ اگر آپ میں آجاتا ہوں

ہوں میں وہ وحشی رم خوردہ کہ تا دشت عدم
بات کھڑکے سے ہے تو مانند صدا جاتا ہوں

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں
گریاں بشکل شیشہ و خنداں بطرز جام
اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں
تو آپ سے زبان زد عالم ہے ورنہ میں
یک حرف آرزو سے بلب نارسیدہ ہوں
تیغ نگاہ چشم کا تیرے نہیں حریف
ظالم میں قطرہ قطرہ خوں چکیدہ ہوں
کس سے کروں میں دعوئے دل جاکے ای خدا
دل دادۂ زلف رخ دلبر ندیدہ ہوں
کرتا ہے جا کے گل کی تسلی چمن میں تو
خون جگر سے میں بھی تو دامن کشیدہ ہوں
غافل ہے کیوں تو زاری فرصت سے گوش دل
لے بیخبر میں نالۂ حلق بریدہ ہوں
میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقول درد
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹی بھی تسلی ہو تو جیتا تو رہوں میں

سخت دل کس دن نہیں گرتے مرے دامن کے بیچ
تر نہیں ہوتی ہیں کونسی شب آستیں

کہکشاں ہے نام کو لیکن مرے احوال پہ
آسماں روتا ہے منہ پر دھر کے ہر شب آستیں

کس کس طرح کی دیکھیں اس باغ کی فضائیں　　کیدھر گئے وہ ساقی وہ ابر وہ ہوائیں

بے اختیار منہ سے نکلے ہے نام تیرا　　کرتا ہوں جس کسی کو پیار کر خطاب تجھ بن

ل جا جو چاہتا ہے سودا کی زندگانی
کچھ بے طرح سے اسکو ہے اضطراب تجھ بن
نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کسی نے انکھڑیاں ملیاں
کہیں مہتاب نے دیکھا ہے اس خورشید تاباں کو
پھرے ہے ڈھونڈھتا ہر شب جہاں آباد کی گلیاں

بلبل چمن میں کس کی ہیں یہ بدشرابیاں　　ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں نہ دل سے اٹھتی ہیں آہیں
سبب کیا کاروانِ درد کی مسدود ہیں راہیں
نہ پہونچا منزلِ مقصود کو مجنوں بھی اے سودا
سمجھ کر جا یہ لٹتی ہیں ملکِ عشق کی راہیں

تو نے سودا کی تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

ثنا ہیں کس کے غنچوں نے دہن کھولا ہے اے شبنم
کر انکا موتیوں سے منہ ترے قطرے جو بکھرے ہیں
کسی کی مرگ پر اے دل نہ کھینچے چشمِ تر ہرگز
بہت سا رو چکے انکو جو اس جینے پہ مرتے ہیں

عجز و غرور دونوں اپنی ہی ذات میں ہیں
ہم عبد سے جدا کب معبود جانتے ہیں

قدرت اوروں کو ہے سرگرمِ سخن ہونیکی
نہیں بھرنیکا دمِ سرد کی مقدور یہاں

ان خوش قدوں کی چال کا انداز کیا کہوں — ٹھوکر لگے ہے دل کے تئیں جس خرام میں

کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا — ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

آئے تھے سبھی ہم نفس اکبار تہ دام — آزاد ہوئے اور گرفتار رہا میں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
کیونکر نہ چاک چاک گریبان دل کروں — دیکھوں ہوں تیری زلف کو میں شانہ شانے میں
اے مرغ دل سمجھ کے تو چشم طمع کو کھول — تو نے سنا ہی دام جسے ہے وہ دانے میں

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

خلش کروں نہ کسی سے اگرچہ خار نہیں — نکلے نہ مجھ سے دل سے اثر جو شعلہ بار ہو نہیں

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئے یار میں — ہمراہ تیرے ہو پہنچیے مل کر غبار میں
میں وہ درخت خشک ہوں اس باغ میں صبا — جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب ہی یہ راتیں ۔۔۔ دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

آمید ہو گئی کچھ گوشہ گیری دل میں ۔۔۔ رہا کرے ہے تمنا اسیری دل میں

کفر سے اپنے تو میرا دل ہے نہایت بیزار ۔۔۔ درمیاں کیا کروں اے شیخ کہیں پائے بتاں

جی تک تو دیکھیے دل میں جو ہو کارگر کہیں ۔۔۔ اے آہ کیا کروں نہیں کرتا اثر کہیں
ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھکو نیند ۔۔۔ جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں
ساقی ہے اک تبسم گل فرصت بہار ۔۔۔ ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سی بھر کہیں

طلب ہے سلطنت جم کی صبح و شام کرتا ہوں ۔۔۔ درمیخانہ پہ جا کر سوال جام کرتا ہوں
روا کب باز پرس محتسب مجھ پہ اے زاہد ۔۔۔ کہ مستی از نگاہ ساقی گلفام کرتا ہوں

صد شکر کہ مرنے کا خلش اٹھ گیا دل سے ۔۔۔ جب سے ہوئے پیدا ہم اُسی دن کے مرے ہیں

میں کس کس شعلہ خو کو سینۂ صد چاک دکھلاؤں
جو دل تھا ایک سو تو جل بجھا کیا خاک دکھلاؤں
کرے دعویٰ نہ ہرگز ہمسری کا ابر بارش میں
برائے امتحاں گر دیدۂ نمناک دکھلاؤں

ردیف واو

نگہ بمہر و تبسم بہ لطف کچھ تو ہو　　جو وہ نہو تو یہ ہو یا یہ نہ ہو وہ ہو

یوں نہ چاہے گا دل آگاہ یہ ہو وہ نہ ہو　　انکی یہ خواہش معاذ اللہ یہ ہو وہ نہ ہو
بندگی کی ذات سے واقف جو ہیں انکی زبان　　بول کب سکتے ہیں یوں اللہ یہ ہو وہ نہ ہو

حال دل اپنا چھپے گا کیا مجھ سے مرا ای یار تو　　سن لے جا عالم سے ہر کوچہ میں ہر بازار تو
کچھ تو یاں نسبت بہ دل کوئی ہے بلبل ای غنم　　گو کریں باغ جہاں میں خار ہم گلزار تو
گر چمن تک رخصت آ صیاد نہیں دیتا نہیں　　جانکی فرصت ہے ہمیں پٹکے ٹک سر دیوار تو
گر نہیں اب کی میسر ساقی و ابر بہار　　جام دے نالے دل برس اے دیدۂ خونبار تو

لہو اُس چشم کا پونچھے سے ناصح بند کیونکر ہو　　جو دل ٹوٹے کسی کے ہاتھ سے پیوند کیونکر ہو

موسم گل میں ایکی سال بادہ بغیر ساقیا　　ہم نے کیا ہے جام چشم، خون دل خراب کو
جنس دل کتنی ہے ناکارہ بہ بازار بتاں　　ایک پوچھے یوں تو لے دوسرا کس کام کو

کی ہے جب عرض تمنا، تو یہ ظالم بولا　　پھر کہے مجھ سے تو یہ بات تو رو دے تجھکو

آلودہ ز قطرات عرق دیکھ جبیں کو　　اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو
آتا ہی تو آ، شوخ کہ میں روک رہا ہوں　　مانند حباب اپنے دم باز پسیں کو
دیتی ہی نہیں چین بدی اپنے گماں کی　　ساتھ اس کے میں ہوتا ہوں کوئی جانتی نہیں کو
جوں دانۂ تسبیح میسر دا ابر کرم حق،　　زاہد در میخانہ کے سر خاک نشیں کو
یک گل کا چمن میں شنوا گوش نہیں ہے
دے مرغ اگر سینہ میں فریاد حزیں کو

جو کہا میں ہوں عاشقوں میں ترے　　بولا وہ مسکرا کے یہ نہ کہو
اب تو دل دے چکا ہے سودا　　آ گئے قسمت پہ ہونی ہو سو ہو

کیا برگشتہ دیں سودا کو کس کافر کی مژگاں نے
کہ شہر چشم کا اب خاک راہ دیر ہے اسکو

تو نہ ہووے تو شب ہجر دے جینے ہم کو
خالق اے صبح، سلامت رکھے تیرے دم کو

حسن فیاض ہے گل کا کہ سحر پہنچے مہر
جس کے دامن سے چنے ہے گہر شبنم کو

کیجئے جو اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دیوے ایک اٹھا نشاء آوازہ قفس کو
بہ جائے لہو ہو کے دل قافلہ سالار
تعلیم دے نالہ جو مرا بانگ جرس کو

دلدار اس کو خواہ دل آزار کچھ کہو
سنتا نہیں کسو کی مرا یار کچھ کہو
عالم کی گفتگو سے تو آتی ہے بوئے خوں
بندہ ہے اک نگہ کا گنہگار کچھ کہو

روا ہے کہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
رہا ہے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

اس کشمکش سے دام کی کیا کام تھا ہمیں   اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

دامن مکان اشک سے ہر دو قدم کی راہ   آنکھیں چرا نہ لخت دل اتنے سفر سہی تو

چھوڑوں گا نہ دامان اسیری کبھو صیاد   ہر صبح رہائی ہو مجھے شام قفس ہو

ذرے کے تئیں یہ روسیاہ خانہ بخانہ کو بکو   دیکھوں ہوں تجھکو مثل ماہ خانہ بخانہ کو بکو
تجھکو فقط چراغ شام ڈھونڈے ہے نہیں گھر بگھر   پھرتی ہے باد صبح گاہ خانہ بخانہ کو بکو
دیکھی ہے جب سے خلق نے تجھ سے مری معاملت   مانگیں ہیں عشق سے پناہ خانہ بخانہ کو بکو

نہیں زخم سے اس کے واقف کوئی   ہے باطن پہ برچھی نظر ہر نگاہ

لیتے لگا ہے انھو مرا نام گاہ گاہ   بھیجیں گے ہم بھی نامہ و پیغام گاہ گاہ

صبر و آرام کہوں یا کہیں اب ہوش و حواس   ہو گیا اس کی جدائی میں جدا کیا کیا کچھ

ضعف و ناطاقتی و سستی و اعضا شکنی — ایک گھنٹے میں جوانی کے بڑھا کیا کیا کچھ

کہاں وہ نور کا شمس و قمر میں ہے شعلہ — جو حسن یار کا اپنی نظر میں ہے شعلہ
شرر سے کم نہیں آتا ہے گر دم قطرۂ اشک — ہم عاشقوں کی مگر چشم تر میں ہے شعلہ

کون اٹھ گیا جان سوختہ مجلس سے کہ ہر شب — لگ لگ کے گلے شمع کے گریاں ہے شعلہ

وہ خلق گر اٹھ بیٹھے جو خواب عدم میں ہے — طالع مرے کروٹ لیں ایسے نہیں خوابیدہ
کیوں منہ کو چھپاتے ہو تم ہم سے تو صاحب — کچھ حسن نہیں وہ شے کہئے جسے دزدیدہ

رکھے ہے دل کو مرے اشتیاق سینے میں — کہ جیسے مرغ قفس میں ہو اضطراب زدہ

میکدے میں تو ہمارے بادہ کشاں سے ہے شیشہ — ہم نے جس سنگ میں دیکھا تو نہاں ہے شیشہ
دیکھ کر بزم میں یاروں کی نشست و برخاست — شور قلقل نہیں لبریز فغاں ہے شیشہ

ہے زلف میں دل میرا مت چھیڑ تو شانہ
زنجیر نہ کھل جاوے ہے سخت یہ دیوانہ
کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہونچونگا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہِ میخانہ

یاں نہ ذرہ ہی چمکتا ہے فقط گرد کے ساتھ
جلوہ گر نور سے ہے خورشید کا ہر فرد کے ساتھ
ہم کہاتے ہیں ترے بندۂ بے زر پیارے
گل نے بلبل کو خریدا ہے زرِ زرد کے ساتھ

شیخی تھی جام کی سو گئی جانِ جم کے ساتھ
وابستہ ہے طلسمِ جہاں اپنے دم کے ساتھ

لٹی مے اُٹھ گیا ساقی مرا بھی پر ہو پیمانہ
الٰہی اس طرح دیکھوں میں کن آنکھوں سے میخانہ

مت سینس مرے سینے پر دامن میں کہتا ہوں
ٹپکے ہے ابھی قطرہ آہ اثر آلودہ
آلائش ہستی میں کیونکر ملوں جاناں سے
ٹک رہ کہ ابھی ہوں میں گرد سفر آلودہ
سودا سے کہا میں نے کیوں تجھ سے نہ کہتے تھے
لبِ عشق کے ساغر سے ظالم نہ کر آلودہ
آنکھیں تری رکھتی ہیں دامان و گریباں کو
خونناب کے قطروں سے شام و سحر آلودہ

پانی بھر آئے ہے آگے ترے اُسکے منہ سو — دیکھے ہے تجکو باندازِ دگر آئینہ

کیا کیا ملی ہیں خاک میں یاں صورتیں کلال — گردش میں اپنے چاک کے گل لے سمجھ سمجھ

پہونچ ساقی کہ پھر ایام کب آتے ہیں یہ — فصلِ گل کے کچھ گئے دن کچھ چلے جاتے ہیں یہ
دل تو ہے آفت طلب پر کور ہو جائیں یہ چشم — جو بلا ملتی ہے ان سے اسکو دکھلاتے ہیں یہ

تجھکو یوسف کی خبر ہے کہ نہیں اے یعقوب — بک گیا مصر میں وہ روے نکو ہاتھوں ہاتھ
ناصحو تا بہ تبار اب کی کروں گا اس کو — گر کیا تم نے گریباں کو رفو ہاتھوں ہاتھ

دل معنیٔ رنگیں سے لبریز ہے سودا کا — اس غنچہ میں پھولے ہیں گلزار بہت تحفہ

ردیف با

اثر نے اشک میں پایا ہوں نے تاثیر نالے میں — ارادہ عشق کا تجھ سے کیا بار اب ہے سر انجام کی

بدلا وہ جسے تیری تصویر نظر آئی — یہ خواب زلیخا کی تعبیر نظر آئی
وہ نالے جو مرہم اکثر کرتے ہیں پہاڑوں کو — اُنکی نہ ترے دل میں تاثیر نظر آئی
دل دینے پہ جو چاہو تعذیر کرو نہ ہم کو — اس امر میں اپنی ہی تقصیر نظر آئی
ہے گردش چشم اُسکی حلقہ دریچہ شر کا — موج خط پیشانی زنجیر نظر آئی

٢ کی عمر عبث ضائع خدمت میں ہوس کی
خاک اپنی ہی جب دیکھی اکسیر نظر آئی

رفو ہوا جو گریباں مرا تو کیا ناصح — جو دل سی دل کہیں پیوند ہو رفو یہ ہی

جرم کے عذر کی تدبیر بہت اچھی ہی — بے گنہ رہنے سی تقصیر بہت اچھی ہی
لیکے کعبے سے گیا سیر میں میخانہ تک — خانہ دل ہی کی تعمیر بہت اچھی ہی

کیا فائدہ گر نہ تھی یہ ظاہر ہے مرا حال — جو چاہئے آگاہ سو غافل تو وہی ہے

مری تو سن لے کہ مانند شمع بزم اخیر — پگھل چکا ہے سراپا زبان باقی ہے

دل جنس فروشندۂ بازار ہنر ہے | دیکھو تو کہیں کوئی خریدار ہنر ہے
ناقدر شناسی سے خلائق کی جہاں میں | جس کو ہنر آیا اُسے انکار ہنر ہے

پھوٹے وہ آنکھ جس میں نہ ذرہ بھی نم رہے | دل جل بجھے وہ جس کے نہ پہلو میں غم رہے

بیمار کی آج اپنے سر شام خبر لے | اس رات خدائی ہو تو ظالم وہ سحر لے
ہے تنگ زمانے میں بہت عمر کا حصہ | اس میں عمل نیک کیا چاہیے تو کر لے

پوچھا جو میں سودا سے کہ ہاتھ اسکے بکے گا
اتنا ہی کہا بھر کے دم سرد اگر لے

اے تڑپ چین تو بسمل کو کہیں دم بھر دے | یہ نہ ہو خوں سے کہیں دامنِ قاتل بھر دے

دنیا تمام گردشِ افلاک سے بنی | باقی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی
صحبت میں اپنی بنتے نہ دیکھی کسو کی ساتھ | میری بنی تو مجھ دلِ غمناک سے بنی

جاتے ہیں لوگ قافلے کے تیں دیس چلے | دنیا عجب سرا ہے جہاں آ کے بس چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے   ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے
اے غنچے آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ   جمعیت دلی یہ تری پھول ہنس چلے
تیرے سخن کو میں بسر و چشم ناصحا   مانوں ہزار بار اگر دل سے بس چلے
نکلا جو نالہ دل سے تو سینہ سے دوڑے اشک   سن مردمانِ قافلہ بانگ جرس چلے
صیاد اب تو کیجیے قفس سے ہمیں رہا   ظالم پھڑک پھڑک کے یہ بال گھس چلے

کام اس گلی میں سر سے یہ سودا گزر گیا
کیا تاب اک قدم جو ادھر بوالہوس چلے

کر دیگا غرق عالم کو غرور حسن کا دریا   اگر آئینہ میں اسکی نگاہ شرمگیں ڈوبی
ملا جنت میں یارب ہم سی تو اس تنگ جنت کو   نہیں تو اشک خونیں سے یہ فردوس بریں ڈوبی

دل کو کیا گر طلب جان ترے من میں ٹھہرے   کونسا جی ہے یہ ایسا کہ بدن میں ٹھہرے

کیا کیا تھے چاؤ دل میں جب آئے تھے عدم سے
کھلتے ہی آنکھ یارو پالا پڑا ہے غم سے
محفل تری مبارک ہو نزد دوستوں کو
تیری گلی کے سگ کو کیا کام ہے ارم سے

مینا و ساغر و مئے ساقی و مطرب و نَے
یہ ساری خوبیاں ہیں سوداؔ کے دم قدم سے

دم نہ مارا ہیں کسی کام میں مانند حباب — اٹھ گیا یار دم بازپسیں دنیا سے
ہرگز اٹھیں نہ کرے یار سی جوں نقش قدم — تا فنا ہو نہ کہیں خاک نشیں دنیا سے

صحبت شعر و بکف جام، صراحی در دست
اس سوا سوداؔ کو کچھ کام نہیں دنیا سے

اک داغ پہ لالے کے تو کیا روتی ہے شبنم — اس باغ سے کتنے ہی گئے داغ الم لے
وعدے کی تری رات سب آنکھوں ہی کاٹی — تا صبح پلک لگنے کی چاہے تو قسم لے
گلریز محبت سے ہے دل شوق سے میرا — شب نالے میں کرتا ہوں پپیہے کی سی دم لے

سوداؔ کو ہم سمجھتے تھے کہہ نہ سکے گا یہ غزل — آذر میں ایسے وہم پہ صدقے ہیں اس کمال کے

ٹپک دے ہاتھ سے شیشہ اگر ہو — کروں اس سے جو میں تقریر دل کی
جفا سے تیری اٹھ جاؤں میں لیکن — وفا ہوتی ہے دامنگیر دل کی

جل رہا ہوں تیرے ہاتھوں سے دگرنہ ای یار
شام سے داغِ جگر صبح تلک دکھلا دے

کیا شوریدہ سر عالم کو اس زلف پریشاں نے
یہ شور افزا اُسی کی بو ہے ورنہ شور بہتر ہے

چمن میں کیسے مچا دیویں دھوم جاتے ہی
قفس سے ہم کو جو صیاد اس برس چھوڑے

یارب کہیں سے گرمی بازار کھینچ دے
دل بیچتا ہوں کوئی خریدار کھینچ دے

مری آنکھوں میں یارو اشک ایسا موج مارے ہے
کہ جیسے ساغرِ سیمیں میں صہبا موج مارے ہے
عبث تو سیر میں دریا کے مت اوقات کھو سودا
سرِشکِ چشم کو ٹک دیکھ کیا کیا موج مارے ہے

مجرم ہوں میں اب تو کہہ دو مکافات کیلئے
منہ میں خدا نے دی ہے زباں بات کیلئے

طوبیٰ تلے میں بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں تیرے سایۂ دیوار کیلئے

جو طبیب اپنا تھا دل اسکا کسی پر وار ہے — مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

کیا خوشی اس سے ہیں سودا کہ آئی ہے بہار
لالۂ و نسرین سے پر گو دامن کہسار ہے

نہیں جوں گل، طلب دار ابر سیاہے گاہے — خار ہوں خشک میں اے برق نگاہے گاہے

تو بہ ہم ملنے سے خوباں کے تو کی ہے لیکن — دیکھ لیتے ہیں کسی کو سرِ راہے گاہے

بولے ہے حسن کے جو آتا ہے مرا کچھ مذکور — قطعہ — اس کے آگے کسی تقریب سے گاہے گاہے

وہی سودا ہے نہ کوچے میں ہمارے یہ جو شخص
نظر آجائے ہے با حال تباہے گاہے

کیا چیز ہے وہ دل جسے کہتے ہیں الٰہی — اک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ہے

آتش جو عشق کی ہے سو نور بصر میں ہے — شعلہ زباں دراز مری چشم تر میں ہے

آتے نہیں نظر میں کسو کے جو ہم تو کیا — عالم تو سب طرح کا ہماری نظر میں ہے

رخصت نہیں ہے اپنے تئیں ورنہ عندلیب — تاثیر صد ترانہ اک آہِ سحر میں ہے

تجھ عشق سے سودا کا انکار نظر میں ہے — دیوانہ بکار خود ہشیار نظر میں ہے

خاطر میں قیامت کو کیا لائینگے وہ جنکے — جلوہ ترے قامت کا ہر بار نظر میں ہے

کس سے جا اٹکا ہے دل میرا عجب دیوانہ ہے
شورِ محشر ایک جس کی شوخیٔ جانانہ ہے

وسعتِ دنیا میں اتنا تنگ یہ کاشانہ ہے
پرتوِ مہتاب داں موتی کا جیسے دانہ ہے

مزرعِ امید عاشق سے تو بے حاصل مگر
اپنی خاکستر میں کچھ بوئے تو خرمن دانہ ہے

نشہ کو ہرگز حقیقت کے نہ پہونچیگا کوئی
جب تلک اے یار خالی عمر کا پیمانہ ہے

اِک رنگ کے جلوے نے کھینچا ہے مری دل کو
صورت تو نہ کیا سمجھا گوری ہے کہ کالی ہے

چشمِ تر اب ہے سودا کے نہ ٹپکا کبھو اشک
صورتِ آئینہ کچھ دیدۂ تر اس کا ہے

عشقِ شبنم ہے مسلم بگل اے مرغِ چمن
ورنہ راتوں کو عبث کوئی بھی یوں روتا ہے

تجھے پسینہ جو تیرے مکھ پر دکھائی دے ہے تو سوچتا ہوں
یہ کیونکہ سورج کی جوت آگے ہر ایک تارا چھٹک رہا ہے
بلوری یوں لے نہ اُس کی بوند لگ کے پھولوں کی پنکھری سے
تمہارے کانوں میں جس طرح سے ہر ایک موتی لٹک رہا ہے

ہم ہیں وابستہ محبت کی مددگاری سے
سب سے آزاد ہوئے دل کی گرفتاری سے
مے پرستی سے ہے مری باعث آمرزش خلق
توبہ صد قوم نے کی ہے مری میخواری سے

غلام اسکی میں ہمت کا ہوں کہ جو اپنے
جگر کے خون کو خوانِ تونگری جانے

چمن گم کردہ فصل گل ہیں وہ آوارہ بلبل ہوں
کہ جسکا آشیاں کنج قفس ہووے اگر ہووے

نہیں معلوم اس سینہ میں کیا جوں شمع جلتا ہے
دھواں نوک زباں سے بات کرنے میں نکلتا ہے
اثر نے آہ میں ہر چند نے تاثیر نالے میں
پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے میرا دل بہلتا ہے

جو کچھ جہاں میں ہے وہ فرق ہی تعین کا
سخن ہمارا نہ سمجھنا قصور کس کا ہے

زخم سینہ کا تو بھر آیا ہے لیکن داغ دل
رہ گیا ہے دوستی کی یہ علامت کیلئے

دل اس سینہ میں ہے یا قطرہ سیماب ہے کیا ہے
قفس میں مرغ ہے یا ماہی بے آب ہے کیا ہے

ترا شہرہ عدو کے خواب میں اتنا کہ سوچوں ہوں
فلک پہ ماہ ہے یا دیدہ بےخواب ہے کیا ہے

چاہنا بزم تعیش کا ہوسناکی ہے
دشمن دور قدح گردش افلاک ہے

کچھ تازہ تعلق نہیں اس دل کو الم سے
تھا طفلی میں گہوارہ مرا دامن غم سے

باس آتی ہے گلزار محبت سے لہو کی
زخمی ہے یہ کس کی رگ جاں خار ستم سے

بلبل چمن میں تیغ نگہ کس کی چل گئی
جس گل کو دیکھتا ہوں سو زخموں سے چور ہے

ابرو میں چھوڑ لے گا نہیں اسکو ناصحا
ہوئی جو کچھ بھی قبلہ حاجات ہو گئی

بس اب ستم سے درگزر اے یار تا کجا
اعمال دل کی میرے مکافات ہو گئی

گردش سے اس نگاہ کے لے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

یارو وہ شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہوا
نظروں میں سو طرح کی شکایات ہو گئی

دیوانہ کون گل ہے ترا جس کو باغ میں
زنجیر کرنے موج نسیم سحر گئی
کیجو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
سینہ سے ارمغاں لیے لخت جگر گئی

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ صنم تم بھلے گئے
پوچھے ہے پھول پھل کی خبر اتنو عندلیب
ٹوٹے جھڑے ہے خزاں ہوئی بچھڑے چلے گئے

ہے مدتوں سے خانۂ زنجیر بے صدا
معلوم ہے نہیں کہ دوانے کدھر گئے

ساون کی بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ نین وہ ہیں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے

ہجر میں تیرے ہمیں آتی نہیں جائے امن
بیٹھ کے اپنے کہیں چپکے سے رویا کیجئے

گرمی کسو طرف نہیں بازار عشق میں
سودا متاع دل کی نہیں آگ دیجئے

عجب بیداد حسرت پر مری صیاد کرتا ہے
دکھا دے ہے مجھے اسکو جسے آزاد کرتا ہے

جو وہ پوچھے تجھے قاصد کہ سودا خوش تو رہتا ہے
تو یہ کہیو کبھو رو، رو، دل اپنا شاد کرتا ہے

مری آنکھوں میں تو بستا ہے کیوں مجکو رلاتا ہے　　سمجھکر دیکھ تو اپنا بھی کوئی گھر ڈوباتا ہے

خواہ کعبہ میں تجھے خواہ میں بتخانہ میں　　اتنا سمجھوں ہوں کہ فریاد کہیں دیکھا ہے

رونے کی تیرے سودا تاثیر کیا کہوں میں　　عالم کے دل کو جس نے خوناب کر دیا ہے

ارض و سما شفق نے لوہو میں بھر دیا ہے　　یا دل کسو نے جا کر خالی کہیں کیا ہے
جوں گل ہے مجھپہ احساں کیا ساقی ازل کا　　میرے لہو سے مجکو اک جام بھر دیا ہے
دل پر کبھو ہمارے تجکو نہ رحم آیا　　آئینہ کو جو حیران دیکھا تو رو دیا ہے
اسکی بڑی عنایت اے دل ہے یہ کہ جس کو
جوں غنچہ سر جگہ سے پیوند کر دیا ہے

گر تجھ میں ہے وفا تو جفا کار کون ہے — دلدار تو ہوا تو دل آزار کون ہے

نالاں ہوں مدتوں ستی ترے سائے کے تلے — پوچھا نہ یہ کبھو پس دیوار کون ہے

سودا کو جرم عشق میں کرتے ہیں آج قتل

پہچانتا ہے تو یہ گنہگار کون ہے

اس چال کے نبھنے کا کچھ اسلوب نہیں — یہ کجروشی ہم سے فلک خوب نہیں

جگر اور دل پہ اب میرے بہار ایسی ہے داغوں سے

کہ زخم سینہ گویا رخنۂ دیوار گلشن ہے

ہر ایک کے دکھ درد کا اب ذکر و بیاں ہے

مجکو بھی ہو رخصت تو مرے منہ میں زباں ہے

پہنچا نہ کوئی مرغ کبھو اپنے چمن تک

جز طائر حسرت کہ وہ یاں بال فشاں ہے

اسیری پر مرے ناحق یہ دل بیداد کرتا ہے

قفس میں ہمنوایان چمن کو یاد کرتا ہے

گر لیجا وہ دل کو بیگانہ دار سودا　　تو ہی کر اب تغافل جانے دے آشنا ہے

نامہ کا غور سے ٹک میرے جواب لکھیو　　انشائے ظاہری کا باطن میں مدعا ہے
تیری سمجھ کے آگے ناقص نہیں عبارت　　گو ہم سے حرف مطلب لکھنے میں رہ گیا ہے
انعام نامہ بر واں ہے درجۂ شہادت　　تیری گلی ستمگر صحرائے کربلا ہے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے　　ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم　　ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
خیال اپنے میں گو ہوں ترانہ سنجان مست　　کر اپنے گوش دلوں کے کبھی سنا بھی ہے
ستم روا ہے اسیروں پہ اس قدر صیاد　　چمن چمن کہیں بلبل کی اب نوا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم خار دشت پر مجنوں　　کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

خاموش عندلیب چمن تجھ سے کیا غرض　　اپنا سخن تو مرغ گرفتار ساتھ ہے
کرتے تو ہو مرے مرض دل کی تم دوا　　بار وجود دل بھی ہے تو یہ آزار ساتھ ہے

لینا جو شیشۂ دل منظور ہے تو یہ ہے — ثابت جو ہو تو یہ ہے گر چور ہے تو یہ ہے
کچھ بس نہیں ہے تجھ سے جز رو کے چپ ہو رہنا — قدرت جو ہو تو یہ ہے مقدور ہے تو یہ ہے
گردش سے آسماں کی نزدیک ہے سبھی کچھ — ہم سے تجھے ملانا اک دور ہے تو یہ ہے
دیکھا نہ اے دوانے سودا کا حال تو نے
مہر و وفا کا اُن کی دستور ہے تو یہ ہے

گزرا ہے کس کی خاک سے ظالم تو بے خبر — دامن کے ساتھ ساتھ ترے گرد ہے سو ہے
ہر رو جو مجھ سے پوچھے ہے تو کیا ہے دکھ تجھے — کہنے کا تجھ سے فائدہ بے درد ہے سو ہے

قد کو تیرے جس جگہ مشق خرام ناز ہے — اس جگہ شور قیامت فرش پا انداز ہے
دل کو رکھتی ہے نپٹ جنبش نفس کی بیدماغ — تجھ بن اب مجھ سے ہوائے زندگی ناساز ہے
بیقراری دل کی اڑ جاوے جو تو کوشش کرے — طائر سیماب کو آتش پہ پرواز ہے
شاعران ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے

نہ پوچھ حال ہمارا کہ ایسی باتوں سے — کوئی سننے سے ترے دل کو درد آتا ہے
خبر دل اپنے کی پوچھے ہے اس سحر جا سودا — ترے گلی سے جو یہ رہ نورد آتا ہے

سودا کی جو بالیں پہ ہوا شور قیامت　　خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

نہیں ممکن اسیروں کی کوئی فریاد کو پہونچے　　صبا یہ مشت پر اس دام سے صیاد کو پہونچے
عبث نالاں ہو اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں　　نہیں ہے رسم یاں کوئی کسی کی داد کو پہونچے

کسی کا درد دل پیارے تمہارا ناز کیا سمجھے　　جو گزرے صید کے جی پر اسے شہباز کیا سمجھے
رہا کرنا ہمیں صیاد اب پامال کرنا ہے　　پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو سو پرواز کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھ سے میرا حال ٹک دنیا میں رہنے دو　　خدا جانے میں کیا بولوں کوئی غماز کیا سمجھے
کہا چاہے تھا کچھ تجھ سے ولیکن دل دھڑکتا ہے　　کہ میری بات کے ڈھب کو تو اے طناز کیا سمجھے
جو گزری رات میری پہ کیسے معلوم ہو تجھ بن　　دل پروانہ کا جز شمع کوئی راز کیا سمجھے
نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا سمجھے

پہونچی نہ تجکو آہ مرے حال کی خبر　　قاصد گیا تو اُن نے بھی کچھ اپنی ہی کہی

شعلہ ہیں برق کا ہوں پہ افسردہ اس قدر　　ہر خار اس چمن میں سمجھتا ہے خس مجھے

اک گل سے بو وفا کی گر آتی ہوائے نسیم
ہر صبح اس چمن کی ہو شام قفس مجھے

سود جوں شمع نہیں گرمی بازار مجھے
ہوں میں وہ جنس کہ آتش ہے خریدار مجھے
ہے قسم تجکو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوۂ حسن اُسے حسرت دیدار مجھے
ہوں تصدق ترے اے عالم فانوس خیال
گو تحیر نے کیا صورت دیوار مجھے
حسرت و داغ و الم، درد چلا میرے ساتھ
ہجر تیرے نے کیا قافلہ سالار مجھے

اس قدر اب کی ہوا مست ہے ویرانے کی
کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانے کی
شکر صد شکر نہیں میں کسی خاطر کا غبار
خاک کعبہ کی ہوں یا گرد صنم خانے کی

کسی نے حال ہی میرے کہی نہ تجھ سے بات
اگر کہی بھی کسو نے تو اپنے مطلب کی

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے
عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

بس سر زمیں پہ جاکے روؤں تیری یاد میں
دہقاں کچھ اس زمیں میں بجز دل نہ بو سکے

تری گلی میں اُٹھا لگین میں سب ہے غبار
بڑا ستم ہے اگر ضبط نالہ ہو نہ سکے

نہ رو تو وادیٔ مجنوں میں اس قدر سودا
کہ گرد سرمۂ چشم غزالہ ہو نہ سکے

چوب شکست خوردہ کشتی ہوں میں کہ جو
پانی میں ہو نہ غرق نہ آتش ہی جل سکے

طالع ہی تھا پہاڑ کو فرہاد نے لیے
آئی کو کیا کرے جو وہ سر سے نہ ٹل سکے

اس صاحب حیا کی اگر پیش آفتاب
منہ سے اُٹھے نقاب تو پھر وہ نہ ڈھل سکے

ماریں گے ایک روگو یا آپ مر رہیں گے
ہمسائے تری گلی میں کچھ ہم بھی کر رہیں گے

یارب نمط جرس کی چھاتی تو پھٹ گئی
کب تک ہمسائے نالے دور از اثر رہیں گے

چمن میں آشیاں مت کر کہو یہ جاکے بلبل سے
ملامت شعلہ خس اپنا عبث کیا آتش گل سے

مرجان کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے ٹپکے ہے رنگِ خوں مری شاخسار سے
خنجر طلب ہے مرگ سے ہر آہوئے حرم دل بھر گیا ہے کس کی مژہ کے شکار سے
ساقی پہونچ شتاب کہ تجھ بن نہیں مجھے موج مئے دو آتشہ کم ذوالفقار سے
کھوٹے نہ مرگ صافی طینت کی قدر کو کرتے ہیں پاک آئینہ میرے غبار سے

سودا جو مئے پرست جہاں کے نہیں ان سے تو
مست کر طلب شراب کی مرجانے یار سے

شکوہ ہے دور کرنا ظالم مروتوں سے لبریز ورنہ دل ہے تیری شکایتوں سے
مژدہ یہ ہمصفیرو پہونچے نہیں کہ تم پر سو تھا تنگ میرے نالے کی حسرتوں سے

نہ پھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہو بھروسہ کچھ نہیں اسکا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

یوسف کی کب تھی گرمی بازار اس قدر جو دھوم تیری کرچکو بازار بیچ تھی
زاہد نے اپنے جبہ کو ہو سکے دیا نہ ہضم
دستار شیخ جی کی تو سودا کو بیچ دی
دن رات ہر پلک نے میری جھڑی لگائی کیا جانے آنکھ تجھ سے میں کس گھڑی لگائی

حلقہ تیری زلف کا جب یار منہ کھولے رہا
بچ چکا وہ جس کی خاطر مار منہ کھولے رہے

عرضِ مطلب کر گئے غیر اس سے اپنی بار ہا
رو نہ پایا آسپہ ہم سو بار منہ کھولے رہے

منہ لپیٹے کیا پھرے ہے اے فلک سمجھے ہیں ہم
ایک دن تیرا دہن اور اپنی مشت خاک ہے

مت سمجھ پست ان پامالوں کو گر رکھتا ہے فہم
توتیائے چشم نقشِ پا ہماری خاک ہے

حیران شمع کس کے لئے سوزناک ہے
پروانہ کس کے شعلۂ خو کا شکار ہے

قاتل سے کیوں جھگڑتے ہو کیا مجھ سی بیر ہے
جائے خطر نہیں ہے مرا زخم خیر ہے

چاہا کہ جوں حباب میں دیکھوں یہ کائنات
کھولی جو چشم اور ہی عالم میں سیر ہے

رکھتے ہیں ایک طرح کا ہم وصف ذات حق
وہ شخص کون سا ہے جو سودا بغیر ہے

خاک پہنچی تیرے دیوانے کی یہ تدبیر ہے
ہر بگولا طوق ہر موج ہوا زنجیر ہے

کیا نیاز عشق سے غافل ہے ناز حسن آہ ‌ ‌ ‌ شیریں کیا جانے کہ خوں آلودہ تیغ شیر ہے
شیخ کی بانگ صلوٰۃ اور پہ تو ای ناصح نہ جا ‌ ‌ ‌ خانۂ قصاب میں بھی روز و شب تکبیر ہے
کس شکار انداز کا یارب ہوا ترکش تہی ‌ ‌ ‌ مرغ تک قبلہ نما کے بھی جگر میں تیر ہے

جو کوئی پوچھے کیا کس جرم میں سوداؔ کا قتل
کہہ کسی کو گر کوئی چاہے یہ کم تقصیر ہے

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی ‌ ‌ ‌ اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ہے مری ساتھ خدا جانے وگرنہ ‌ ‌ ‌ کافی ہے تسلی کو مرے ایک نظر بھی
اے ابر قسم ہے تجھے رونیکی ہمارے ‌ ‌ ‌ تجھ چشم سے ٹپکا ہے کبھو لخت جگر بھی
کس ہستی موہوم پہ نازاں ہے تو ای یار ‌ ‌ ‌ کچھ اپنے شب و روز کی ہے تجھکو خبر بھی
تنہا ترے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش ‌ ‌ ‌ رہتا ہے سدا چاک گریبان سحر بھی

سوداؔ تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

نہ مجھ سے کہہ کہ چمن میں بہار آئی ہے ‌ ‌ ‌ یہ مرغ کشتی کب فصل بہار آئی ہے

گزر مرا ترے کوچہ میں گر نہیں تو نہ ہو ‌ ‌ ‌ مرے خیال میں تو لاکھ بار گزرتا ہے

سکتہ ہے آج ترے در پہ اضطراب نسیم　　　کہ اس جہاں سے کوئی خاکسار گزرے ہے

اس دل کی تف آہ سے کب شعلہ بر آوے　　　بجلی کو دم سرد سے جسکے حذر آوے

بیچارا بہت مرتا ہے شب ہجر میں سودا

اب کہنے کو افسانہ کوئی نوحہ گر آوے

کیا ہو جو قفس تک مرے اب صحن چمن سے　　　دو برگ لئے گل کے نسیم سحر آوے

جب پھونکتے ہیں ناقوس صنم خانہ دل شیخ　　　کعبہ کا ترے وجد میں دیوار و در آوے

نسیم گر قدم دوستی بجا لاوے　　　یہ منت ہے پر یہ قفس میں چمن کو لیجاوے

سمجھ کے کیجیو پیارے گلی میں اپنی خرام　　　مبادا پاؤں تلے دل کسی کا آجاوے

ہر دانہ میرے خوشۂ خرمن کا ہے شرر　　　کہہ برق کو سمجھ کے ٹک ایدھر گزر کرے

زاہد چلا ہے کعبہ کو اور برہمن کنشت　　　بندے ہیں اسکے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے　　　اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اتنا لکھ آئیو میری لوح مزار پر — یاں تک نہ ذی حیات کو کوئی خفا کرے
بلبل کو خون گل میں لٹایا کروں مجھے — نالے کی گر چمن میں تو رخصت دیا کرے
فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں — اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت محبوب خوبرو — زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

یہ شعر یقینی نہیں ہے یا یقین نے سودا کا چرایا ہے

ساق تیں تری شب دیکھ کے گوری گوری
شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوڑی تھوڑی
ابر چھایا ہے سیہ مست مجھے لے ساقی
دے تو بھر بھر کے مجھے پیالیاں کوری کوری

بال و پر توڑ کے سونپے ہے قفس کو صیاد — تجھ سے رخصت ہو مری آہ میں آزادی

تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم سی کہ سر دھر دے — پیارے یہ کہیں سی ہو ہر کا رسے دھر دے
پانی بھی نہ مانگ اس سی جو ہووے تنک مایہ — کاسہ کے تئیں گل کے شبنم نہ کبھو بھر دے

سینہ کو رستموں کے نگہ تیری توڑ دے　　آنکھوں کی ہر پلک صفِ محشر کو توڑ دے

جس دم وہ صنم سوار ہووے　　تا صید حرم شکار ہووے
جو اٹھ نہ سکے تری گلی سے　　رہنے دے کہ تا غبار ہووے
سوزن کی نہ جیب لیجیو منت　　یوں پھٹیو کہ تار تار ہووے
شبنم سے بھرے ہے ساغرِ گل　　گردوں تو خراب و خوار ہووے

بھر نظر تجکو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے　　حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

دیوانگی ہماری کیا کیا مچاتی دھومیں　　زنجیر پڑ کے پاؤں گر اپنے گھر نہ لاتی

اے آہ تری قدر اثر نے تو نہ جانی　　گو تجکو لقب ہم نے دیا عرش مکانی
ٹک دیدۂ تحقیق سے تو دیکھ زلیخا　　ہر چاہ میں آتا ہے نظر یوسف ثانی
ہے گوش زد خلق مرا قصہ جانکاہ　　جب تک کہ نہ سمجھے تھا تو چڑیا کی کہانی

نہیں ہوجو کوچہ سے ترے اٹھنا بگولے کا   ہماری خاک بھی جاتی ہے تیری راہ کے صدقے

آوے گا وہ چمن میں ترٹکے ہی میکشی کو   شبنم سے کہہ دے بلبل پیالے گلوں کے دھولے
باغ جہاں میں آکر کچھ ہم نے پھل نہ پایا   اک دل ملا کہ جس میں ہیں سیکڑوں پھپھولے
ایسا ہی "جاؤں" "جاؤں" کرتے ہو تو سدھارو   اس دل پہ کل جو ہوتی سو آج ہی وہ ہولے
کون ایسا اب کہے یہ سودا گلی میں اس کی
آنکھوں سے چلیں ہم دل کھول کر کے رولے
سودا ہزار حیف کہ آکر جہاں میں ہم   کیا کر چلے، اور آئے تھے کس کام کیلئے

متفرق

اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کو   کیا ذکر ہے مسیح علیہ السلام کا

بساط اپنی میں تھا جو ایک دل سو دل بھی کھو بیٹھا
مجھے مدت ہوئی پیارے میں اس سے ہاتھ دھو بیٹھا

دل کو اے عشق سوئے زلف سیہ فام نہ بھیج   رہزنوں میں تو مسافر کو سر شام نہ بھیج

دیدۂ پرآب سے تجھ بن ہمیں کیا کام ہے جام　　بزم مشتاقاں سے تیرے ہے حلقہ ماتم ہر جام

سننے پائے نہ دہن آپکے سے دشنام تمام　　جنبش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں　　آنکھیں تو مانتی نہیں ہیں انکو کیا کروں

تغافل سے ترے اے بے وفا کب تک جفا دیکھوں
خدا وہ دن کرے تجھ پر کسی کو مبتلا دیکھوں

فائدہ کیا خط تجھے لکھ لکھ اگر دیتا ہوں میں　　نامۂ اعمال دل لکھتا ہوں اور دیتا ہوں میں

میں وقف تماشائے ہر اک اہل نظر ہوں　　گوہر نہ سمجھ قطرۂ خونناب جگر ہوں

میکشاں روح ہماری کبھی کچھ شاد کرو　　ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

سن کے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جانکاہ کو　　کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کہوں اللہ کو

کل جو بیٹھا پاس اک جا تیرے ہمنام کے　　رہ گیا بس نام سنتے ہی کلیجہ تھام کے

قاصد یہی پیام تو جا کہیو یار سے　　اک شخص جاں بلب ہے ترے انتظار سے

ٹک ٹک جگر تو میرے مرغ نامہ بر کا دیکھ　　کہ واں اڑتے ہیں جہاں پر جلیں فرشتہ کے

رباعیات

ایوان عدالت میں تمہارے اے شاہ　　کیا ظلم کو ہے دخل معاذ اللہ
شیشہ کا جو واں طاق پہ بیٹھے بھی پاؤں　　پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

گر یار کے سامنے ہیں رو یا تو کیا　　مژگاں میں جو لخت دل پرویا تو کیا
یہ دانۂ اشک سبز ہونا معلوم　　اس شور زمیں میں تخم بویا تو کیا

میں دیر و حرم ڈھونڈھ کے یار د ہارا　　دونوں میں نہ پایا اُسے جز اندھیارا
دل داغ سے روشن ہوا جسدم جوں شمع　　اپنا تن و جاں اپنے قدم پر وارا

گر مہ سے بلندی میں ہوا تو وہ چند　　پستوں کی طرف دیکھ کے مت ہو خرسند
جتنے کہ بلندوں کی ہیں نظروں میں پست　　پستوں کی بھی نظروں میں ہیں اتنے ہی بلند

کتنوں کا جہاں میں با زر و مال ہے شکر　　کتنوں ہی کا با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن تھوڑا　　شاکر ہے وہی جسکو بہر حال ہے شکر

کیا جانے بسا ہے آج کس کے جا کر　　آتی نہیں نیند مجکو تنہا پا کر
جی میں ہے نہ اُٹھئے تا بہ صبح محشر　　اس رات کو سوئے کچھ ایسا کھا کر

اے بے تو مدام آب در دیدۂ من　　وے خون دل خراب در دیدۂ من
ہر لحظہ ز راہ طنز می گوید بخت　　بیدار توئی و خواب در دیدۂ من

کیونکر کہوں تجھ سے یہ کہ مجھ سے مل تو — میں شیشہ ہوا جہاں میں ظالم سل تو
جانیگا تبھی تو اس محبت کی قدر — تیرا دل میں ہوں اور میرا دل تو

سودا شعرا میں ہے بڑائی تجھکو — تشریف سخن عرش سے آئی تجھکو
عالم تجھے اس فن میں پیمبر سمجھا — پر جا جہلا نے بجند آئی تجھکو

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ — کہ جوں حباب وہی پیرہن وہی ہو کلاہ
تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے ہے کہ عمر — بہ رنگ رشتہ سوزن ہے ہر قدم کوتاہ

سودا بجہاں اپنی زبانی تو ہے — آفاق میں خاقانی ثانی تو ہے
ہے نطق کا ہر چند نہیں تو خالق — پر نطق کا خلاق معانی تو ہے؟

کوتاہ نہ عمر مے پرستی کیجئے — زلفوں سے ترے دراز دستی کیجئے
ساقی جو نہ ہو شراب پر آج وہ ابر — پانی پی پی کے فاقہ مستی کیجئے

سرمایۂ عیش کامرانی تو ہے
آرام دل و مونس جانی تو ہے
گر تو ہی نہ آوے تو یہ جینا کس کام
میری تو مراد زندگانی تو ہے

افسوس ہماری عمر روتے گزری
نت دل سے غبار غم ہی دھوتے گزری
دیکھا نہ کبھی خواب میں اپنا یوسف
ہر چند تمام عمر سوتے گزری